احیائے اسلام و امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

بفیضان نظر

قدوۃ الاولیاء شیخ المشائخ حضرت سیدنا طاہر علاؤ الدین الگیلانی البغدادی

زیر سرپرستی

شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری

جلد 21 شمارہ 1 ذوالحجۃ ۱۴۲۷ھ جنوری 2007ء

حسن ترتیب

www.minhaj.info Info@minhaj.info

قیمت فی شمارہ: 15 روپے
سالانہ زرِ تعاون: 150 روپے

ترسیل زر کا پتہ
اکاؤنٹ نمبر 51-1457 حبیب بینک منہاج القرآن برانچ 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور پاکستان فون 111-140-140 :UAN فیکس 5168184

ملک بھر کے تعلیمی اداروں اور لائبریریوں کیلئے منظور شدہ

بدل اشتراک
مشرق وسطی جنوب مشرقی ایشیاء، یورپ، افریقہ، آسٹریلیا، کینیڈا، مشرق بعید جنوبی امریکہ و ریاستہائے متحدہ امریکہ 30 امریکی ڈالر سالانہ

طابع: میاں مظفر احمد، ناشر: محمد اشرف قادری، مطبع: منہاج القرآن پرنٹرز، ادارہ منہاج القرآن 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور

حمد باری تعالیٰ جل جلالہ

سب نام اچھے جتنے ہیں ذاتِ خدا کے ہیں
اوصاف سب حمیدہ اُسی کبریا کے ہیں
''انعام پانے والوں کی دکھلادے رہ ہمیں''
سکھلائے اس نے حرف یہ ہم کو دعا کے ہیں

الحمد سے والناس تک اس کا کلام ہے
اس کا کلام ہی تو ملوک الکلام ہے
باقی ہے زندہ تا ابد وہ ذاتِ لایزال
سب کچھ فنا ہے بس اُسے حاصل دوام ہے

حیّ و قیّوم ذات اُسی کی قدیم ہے
وہ خالقِ جہاں ہی خبیر و علیم ہے
اس کی نوازشات کا ہے سلسلہ دراز
ذات اس کی سب کریموں سے بڑھ کر کریم ہے

سرچشمہ ہدایتِ ازلی ہے اس کی ذات
ہر جادہ کی منزل ہے وہ، منزل نما ہے وہ
اس کا پتا نہ مل سکے عقل و شعور سے
ادراک کی حدوں سے وراء الوراء ہے وہ

اللہ آسمانوں زمینوں کا نور ہے
کوئی بشر نہ اس کی حقیقت کو پاسکے
وسعت کہاں آفاق کی پہنائیوں میں ہے
مومن کا دل ہی ہے کہ وہ جس میں سما سکے

(ضیاءنیّر)

نعتیہ قطعات

ہر ذی نفس حضورؐ کا مقروض ہے ریاضؔ
ہر ذرہ کائنات کا احسان مند ہے
رحمت کا در کھلا ہے غلاموں کے واسطے
محشر تلک عذاب کا دروازہ بند ہے

☆☆☆☆☆☆

کب سے ہوائے جبرِ مسلسل کی زد میں ہیں
جلتے ہوئے چراغ فصیلِ شعور پر
ہر روشنی کو اذنِ بقا دیں گے مصطفیٰؐ
نظریں لگی ہوئی ہیں ہماری حضورؐ پر

☆☆☆☆☆☆

چشمِ تصورات میں مَیں آج بھی ریاضؔ
خاکِ درِ حضورؐ کو سرمہ بناؤں گا
روضے کی جالیوں کو کئی بار چوم کر
سینے کی دھڑکنوں میں ادب سے چھپاؤں گا

☆☆☆☆☆☆

پلکو! ہمارے اشکِ مسلسل کا بھی ادب
آنکھو! غبارِ شہرِ مدینہ کا احترام
ہونٹو! رسولِ ارض و سماوات پر درود
لوگو! ثنائے مرسلِ آخر کا اہتمام

☆☆☆☆☆☆

اسمِ نبیؐ، گلاب نے چوما ہے، اس لئے
خوشبو کرے طواف چمن کا بصد ادب
سر پر ردا درودِ محمدؐ کی اوڑھ کر
دہلیزِ مصطفیٰؐ پہ رکھے کاسۂ طلب

(ریاض حسین چودھری)

موت و حیات کی حقیقت اور مرحلہ قبر کی تیاری

شہر اعتکاف سے

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا تیسرا خطاب

ترتیب و تدوین: محمد یوسف (منہاجین)

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ. (الانبیاء، ۲۱:۳۵)

''ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور ہم تمہیں برائی اور بھلائی میں آزمائش کے لئے مبتلا کرتے ہیں اور تم ہماری ہی طرف پلٹائے جاؤ گے''۔

موت اور قبر، قیامت اور آخرت کا مرحلہ اولیٰ ہے۔ قبر کا مرحلہ اصطلاح میں برزخ کہلاتا ہے۔ اس برزخی زندگی کا خاتمہ بعث (قیامت کے دن دوبارہ جی اٹھنا) پر ہونا ہے۔ ایک زمانہ وہ تھا جب ہمارے جسم نہ تھے اور روحیں عالم ارواح میں موجود تھیں۔۔۔ اور اس سے قبل ہماری روحیں بھی نہ تھیں ہم عدم محض تھے، کچھ بھی نہ تھے۔۔۔ ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ ہماری روحوں کو جسموں سے جدا کردیا جائے گا۔۔۔ پھر جسموں میں پلٹا دی جائیں گی یہ دور برزخ کا ہے اور یہاں سے آخرت اور قیامت کا مرحلہ شروع ہوجاتا ہے، حساب و کتاب اور جزا و سزا کے مرحلہ کا آغاز ہوجاتا ہے۔ نیک و بد کو جزا و سزا کی صورت میں جو ملنا ہے وہ موت کی شام سے ملنا شروع ہوجاتا۔۔۔ جس دور میں ہم جی رہے ہیں یہ دراصل سراب، دھوکہ، متاع الغرور ہے۔

درج بالا آیت کریمہ کی روشنی میں یہ واضح ہورہا ہے کہ موت حق ہے اور امر واقع ہے نیز ہر جان نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ موت بذات خود آخرت کے مراحل میں سے پہلا مرحلہ ہے، قبر تو تدفین کے بعد شروع ہوتی ہے۔ قفس عنصری سے روح کی پرواز کے ساتھ ہی آخرت و قیامت شروع ہوجاتی ہے۔ اس لئے اِقْتَرَبَةِ السَّاعَة کے اندر پیغام یہ ہے کہ اے سننے والے! قیامت کو یوں دیکھ کہ ہر ایک کی موت اس کی قیامت ہے۔۔۔ جو مرگیا اس کی قیامت اسی شام اور اسی لمحہ برپا ہوگئی۔ یہ خیال کبھی نہ کیا جائے کہ موت فنا ہونے کا نام ہے۔۔۔ اگر موت فنا ہوجانے کا نام ہوتا تو موت کے بعد نہ کوئی عذاب ہوتا نہ ثواب ہوتا۔۔۔ نہ جزا ہوتی اور نہ سزا ہوتی۔۔۔ موت ایک لمحہ انتقال ہے، ایک عارضی شے ہے۔۔۔ آتی ہے اور چلی جاتی ہے کیونکہ موت کے فوری بعد پھر ایک اور حیات ہے جسے حیات برزخی کہتے ہیں اور اس سے آخرت اور قیامت کے احوال شروع ہوجاتے ہیں، اسی حیات سے تنگی و فراخی شروع ہوجاتی ہے اسی بناء پر اللہ نے موت کو ذائقہ سے تعبیر کیا۔ جس طرح ذائقہ مستقل چیز نہیں ہے، عارضی شے ہے، آتا ہے اور تھوڑی دیر میں چلا جاتا ہے۔۔۔ اس طرح موت آتی ہے اور تھوڑی دیر میں چلی جاتی ہے۔ موت کی حقیقت، بقاء اور اس کا برقرار رہنا ذائقہ کی مانند ہے۔ فرق اتنا ہے کہ مومن کا موت کا ذائقہ

> **موت کی حقیقت، اس کی بقاء اور اس کا برقرار رہنا ذائقہ کی مانند ہے، یہ ایک عارضی شے اور لمحہ انتقال ہے، اس کے بعد حیاتِ برزخی شروع ہوجاتی ہے**

میٹھا اور فاسق و فاجر اور منافق کا موت کا ذائقہ کڑوا ہے۔ کسی کی موت مٹھاس والی ہوتی ہے، کسی کی موت تکلیف والی اور کڑوی ہوتی ہے۔ موت کو اللہ نے ذائقہ سے تعبیر کیا اور زندگی کے لئے فرمایا کہ یہ ابتلاء و امتحان ہے، آزمائش گاہ ہے۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً ط (الملک، ۶۸: ۲)

''جس نے موت اور زندگی کو (اِس لئے) پیدا فرمایا کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل کے لحاظ سے بہتر ہے''

اس امتحان لینے کا مقصود یہ ہے کہ کسی کا عمل عملِ خیر اور کسی کا عمل، عمل شر ہے۔ اس طرح کبھی بھلائی دے کر آزمایا جاتا ہے اور کبھی تکلیف، نقصان اور شر دے کر آزمایا جاتا ہے۔ یہ بات ہم سب کے علم میں ہے کہ لوگ ہمیشہ امتحان گاہ میں تیاری کے ساتھ بیٹھتے ہیں تاکہ نتیجہ اچھا آئے۔ یہ زندگی امتحان گاہ ہے جس میں اللہ ہمیں خیر و شر کے ذریعے آزمارہا ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ O (البقرہ، ۲: ۱۵۵)

''اور ہم ضرور بالضرور تمہیں آزمائیں گے کچھ خوف اور بھوک سے اور کچھ مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے، اور (اے حبیب!) آپ (ان) صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیں''۔

اس زندگی کے بارے میں اللہ نے کبھی فرمایا کہ یہ ابتلاء ہے اور کبھی فرمایا کہ یہ فتنہ ہے۔۔۔ زندگی فقط آزمانا ہے۔۔۔ آزمایا کس لئے جاتا ہے؟۔۔۔ آزمایا اس لئے جاتا ہے تاکہ اس کے مستقبل کا فیصلہ ہوسکے۔ نیز آزمائش تھوڑی دیر کے لئے ہوتی ہے چونکہ تمام زندگی آزمائش ہے اس لئے تھوڑی ہے۔۔۔ آزماتے ہیں اس لئے تاکہ یہ فیصلہ کریں کہ آپ اصل زندگی (جس میں موت کے بعد جانے والے ہیں) میں کس منصب کے حق دار ہیں۔ مرنے کے بعد قبر میں انسان کو صلہ مل جائے گا اور یہ صلہ بھی ایک زمانے تک ہے اور پھر اس کے بعد تمہیں ہماری ہی طرف پلٹنا ہے۔ یعنی پھر ایک بار زندہ کئے جاؤ گے اور پھر اس دن بڑا امتحان ہوگا مگر جو پہلے میں کامیاب ہوگیا وہ آخرت میں ناکام نہ رہے گا اور جو قبر کے امتحان میں ناکام ہوگیا اس کی آخرت میں کامیابی کی سبیل نہیں ہوگی۔ اللہ نے ارشاد فرمایا:

قبر کے امتحان میں کامیاب ہونے والا آخرت میں ناکام نہ ہوگا مگر جو قبر میں ناکام ہوگیا اس کے لئے آخرت میں کامیابی ممکن نہیں

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَاطْمَاَنُّوْا بِھَا وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ O اُولٰٓئِکَ مَاْوٰھُمُ النَّارُ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ O (یونس، ۱۰: ۷،۸)

''بیشک جو لوگ ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے اور دنیوی زندگی سے خوش ہیں اور اسی سے مطمئن ہوگئے ہیں اور جو ہماری نشانیوں سے غافل ہیں انہی لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے ان اعمال کے بدلہ میں جو وہ کماتے رہے''۔

حدیث مبارکہ میں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''جو میری ملاقات کا خواہشمند نہیں پھر میں اس کی ملاقات کا بھی خواہشمند نہیں''۔

موت کیا ہے؟۔۔ موت، ملاقات کا نام ہے۔۔۔ موت، دنیا کا ہجر و فراق ہے۔۔۔ اور اللہ والوں کی ملاقات و وصال ہے۔۔۔ ہم اس وقت فراق میں ہیں، حجاب میں ہیں، اللہ کو دیکھ نہیں سکتے۔۔۔ پس موت وہ دروازہ ملاقات ہے جو پردہ اٹھادے گی اور دیدار کرادے گی۔ گویا اللہ کا دیدار بھی ہوگا۔

رؤیتِ باری تعالیٰ اور حضور ﷺ کے حوالے سے ایک مغالطے کا ازالہ

رؤیت باری تعالیٰ ہمارے لئے اس دنیا میں ممکن نہیں لیکن بعد از موت، آخرت میں ممکن ہوجائے گی۔
حضور ﷺ نے معراج کی رات چشمانِ قلب اور چشمانِ ظاہر سے اللہ کا دیدار کیا۔
بعض لوگ شب معراج حضور ﷺ کی رؤیت باری تعالیٰ کو تسلیم نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ دنیا میں سر کی آنکھوں سے اللہ کا دیدار نہیں ہوسکتا لہٰذا حضور ﷺ نے بھی اللہ کا دیدار نہیں کیا۔

رؤیتِ باری تعالیٰ کی پہلی دلیل

اس اعتراض کا ایک جواب یہ ہے کہ معراج کی رات حضور ﷺ دنیا میں تھے ہی کب؟۔۔۔ دنیا تو یہاں رہ گئی تھی۔۔۔ وہ تو مقام قاب قوسین پر تھے۔۔۔ تم کس دنیا کی بات کرتے ہو۔۔۔

دوسری دلیل

نیز یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ دنیا میں بھی رویت باری تعالیٰ ممکن ہے۔ علماء کا ایک مکتب فکر ایسا بھی ہے جو دنیا میں رویت باری تعالیٰ کو ممکن سمجھتا ہے اور میں خود اس مشرب کا ہوں جو دنیا میں بھی رویت باری تعالیٰ کو ممکن سمجھتے ہیں۔ اگر دنیا میں اللہ کی رویت اور دیدار مطلقاً ممکن نہ ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کبھی دیدار کا تقاضا نہ کرتے اس لئے کہ پیغمبر خلاف شرع بات کی دعا و استدعا نہیں کرسکتا۔ رسول ہو مگر ایسی بات کہے جو ممکن نہ ہو۔۔۔ ایسا نہیں ہوسکتا۔۔۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سوال اس بات کے لئے کافی دلیل ہے کہ رؤیت باری تعالیٰ اس دنیا میں ممکن ہے ورنہ معاذ اللہ سوال ناجائز ہوجاتا ہے۔۔۔ اور پیغمبر ناجائز سوال نہیں کرتا۔۔۔ نیز اللہ نے جواب میں بھی یہ نہیں فرمایا کہ "میری رویت و دیدار ہو نہیں سکتا"۔ لَنْ تَرَانِیْ. "تم ہرگز نہ دیکھ سکو گے"۔
سوال بھی رویت کا اشارہ دے رہا ہے اور جواب بھی رویت کا اشارہ دے رہا ہے۔ اللہ رب العزت نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:
یہ بات فرما کر اللہ نے فرمایا کہ "ہم اپنی تجلی پہاڑ پر ڈالتے ہیں اگر وہ قائم رہ جائے تو تم بھی دیکھ لو گے" یہ ارشاد بھی امکان کی دلیل ہے۔

تیسری دلیل

آنکھوں کی جو طاقت ہر مومن کو اللہ تعالیٰ آخرت میں عطا کرے گا، حضور ﷺ کی آنکھوں کو وہ طاقت اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں عطا کردی ہے۔ صحابہ کرام نے حضور ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا قیامت کے دن ہم اللہ کو دیکھ سکیں گے؟۔۔۔ حضور ﷺ نے فرمایا: دیکھ سکو گے۔۔۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہمارے اندر اتنی سکت ہوگی کہ اس نور کو دیکھ پائیں؟۔۔۔ حضور ﷺ مسکرائے اور فرمایا کہ جس طرح چودھویں رات کے چاند کو دیکھ سکتے ہو اسی طرح اللہ کو بھی دیکھ سکو گے، وہ چودھویں رات کے چاند کی مانند نظر آئے گا"۔
آپ ﷺ کی آنکھوں کو وہ طاقت جو مومن کو آخرت میں حاصل ہوگی، دنیا میں ہی حاصل ہے۔ اگر حضور ﷺ بھی ہماری ہی طرح قیامت کو اللہ کو دیکھ سکیں گے تو ہمارے اور حضور ﷺ کے درمیان کیا فرق ہوا۔۔۔ ہمیں جو قیامت کے دن ملنا ہے، حضور ﷺ کو وہ مل چکا ہے۔ اس لئے کہ ہماری آخرت مرنے کے بعد ہوگی، حضور ﷺ کی شان آخرت زندگی کے ہر لمحے کے بعد اگلے لمحے میں ہوتی ہے۔
وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی (اَلضُّحٰی: ۹۳، ۴)

''اور بے شک (ہر) بعد کی گھڑی آپ کے لئے پہلی سے بہتر (یعنی باعث عظمت و رفعت) ہے''۔
ہر لمحے کے بعد جو لمحہ آتا وہ حضور ﷺ کی شان آخرت لے کر آتا ہے۔

موت، ملاقات کا نام ہے

موضوع کی طرف واپس آتے ہیں اللہ رب العزت نے فرمایا کہ وہ لوگ جو اللہ سے ملاقات کی امید نہیں رکھتے وہ لوگ دنیا کی زندگی سے راضی اور اس میں مطمئن ہوگئے ہیں۔۔۔ ہائے افسوس! ہماری حالت بھی انہی لوگوں کی طرح ہے۔۔۔ ہم دنیا کی زندگی میں راضی اور اس پر مطمئن ہیں۔ اللہ نے دو چیزیں متوازی بیان کردی ہیں کہ وہ لوگ جو دنیا کی زندگی سے خوش اور مطمئن ہیں، دنیا میں مزید رہنا چاہتے ہیں، ان کی یہ خوشی اس بات کی علامت ہے کہ وہ اللہ سے ملنا نہیں چاہتے۔۔۔ اور جو اللہ سے ملاقات کا خواہشمند ہو اس کا عالم دنیا میں یہ ہوتا ہے کہ وہ بیتاب و بے قرار رہتے ہیں۔۔۔ جو دنیا کی زندگی سے خوش ہیں اور ہماری ملاقات کے طالب نہیں ان کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ دوزخ قبر سے شروع ہوجائے گی کیونکہ حدیث مبارکہ کے مطابق قبر یا تو جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کا گڑھا ہے۔ گویا قبر اسی جنت و دوزخ کا حصہ ہے۔۔۔ موت کو قرآن نے اللہ کی ملاقات سے تعبیر کیا ہے۔

قُلْ يٰٓـاَيُّهَا الَّـذِيْـنَ هَـادُوْٓا اِنْ زَعَـمْـتُـمْ اَنَّـكُـمْ اَوْلِيَـآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَO وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗ اَبَدًام بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَO (الجمعه، ۶۲: ۶۔۷)

''آپ فرما دیجئے: اے یہودیو! اگر تم یہ گمان کرتے ہو کہ سب لوگوں کو چھوڑ کر تم ہی اللہ کے دوست (یعنی اولیاء) ہو تو موت کی آرزو کرو (کیونکہ اس کے اولیاء کو تو قبر و حشر میں کوئی پریشانی نہیں ہوگی) اگر تم (اپنے خیال میں) سچّے ہو اور یہ لوگ کبھی بھی اس کی تمنا نہیں کریں گے اُس (رسول کی تکذیب اور کفر) کے باعث جو وہ آگے بھیج چکے ہیں۔ اور اللہ ظالموں کو خُوب جانتا ہے''۔

موت، اولیاء اللہ کیلئے بقاء بھی اور لقاء بھی

یہ سوچ اس وقت سے چلی آرہی ہے کہ ہر کوئی یہ دعویٰ کرتا پھرتا ہے کہ ہم اولیاء اللہ ہیں۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم شکل وصورت سے اولیاء اللہ بنتے پھرتے ہیں۔۔۔ جبہ، عمامہ، دستار پہن کر ہم اپنے آپ کو اولیاء اللہ میں شامل کرلیتے ہیں۔۔۔ تسبیح پکڑ لی، آنکھوں میں غصہ لے آئے، طور اطوار بنانا سیکھ گئے اور اولیاء اللہ کہلانے لگے۔۔۔ نہیں، ہرگز نہیں یہ چیز درست نہیں اولیاء اللہ کسی شکل و ہیئت کا نام نہیں بلکہ ولایت، دل سے اللہ سے دوستی کرنے کا نام ہے اور دوست اس کو کہتے ہیں جو دوست کی خوشی میں ہر شے قربان کردے۔۔۔ جو وہ مانگے اسے دے دے، اپنی جان پر بھی محبوب کو مقدم رکھے۔۔۔ اور اسی دوستی کا نام ولایت ہے۔

یہود کہتے تھے کہ ہم اولیاء اللہ ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ تم میرے دوست ہو تو ہم تمہیں ابھی ایک لمحے میں پرکھ لیتے ہیں کہ تم دوست ہو یا نہیں۔ ذرا ان سے کہو کہ اگر واقعی تو اللہ کے دوست ہو تو موت کی تمنا کرو کیونکہ دوست تو دوست سے ملنا چاہتا ہے اور موت تو ملاقات کا ایک ذریعہ ہے۔۔۔ دوست کی تو پہچان یہ ہے کہ اگر اسے موت کے ذریعے بھی دوست کی ملاقات نصیب ہوجائے تو اسے اور کیا چاہئے۔۔۔ پس موت، اولیاء کی ملاقات ہوتی ہے۔۔۔ اللہ نے خود جواب دیا کہ وہ کبھی بھی اس کی تمنا نہیں کریں گے بلکہ اس سے فرار حاصل کریں گے۔ گویا اللہ فرمارہا ہے کہ جو موت کی تمنا نہ کرے وہ کہاں کا ولی ہے۔۔۔ میرا دوست وہ ہے جو موت کے لئے بے قرار رہے۔۔۔ اس لئے کہ موت، تو کافر کے لئے موت ہے مگر اللہ کے ولی کے لئے بقاء ہے۔

موت جس سے آخرت کی ابتداء ہوتی ہے وہ مومنوں کے لئے اللہ کی ملاقات کا لمحہ ہے اس لئے بزرگوں اور اولیاء اللہ کے لئے ہم یہ نہیں کہتے کہ فلاں ولی اللہ مرگئے۔۔۔ بلکہ کہتے ہیں کہ وہ وصال فرماگئے۔۔۔ وصال کا مطلب

ہے ملاقات۔۔۔موت، دوست کو دوست سے ملاتی ہے۔ موت ایک واسطہ، ذریعہ اور وسیلہ ہے یعنی مُوْصِلُ الْحَبِیْبِ اِلَی الْحَبِیْبِ. ''دوست کو دوست سے ملانے والی''۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَۃُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّکَ ثَوَابًا وَّ خَیْرٌ اَمَلًاO (الکھف، ۱۸ : ۴۶)

''مال اور اولاد (تو صرف) دنیاوی زندگی کی زینت ہیں اور (حقیقت میں) باقی رہنے والی (تو) نیکیاں (ہیں جو) آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے لحاظ سے (بھی) بہتر ہیں اور آرزو کے لحاظ سے (بھی) خوب تر ہیں''۔

اس آیت میں مال اور اولاد کو دنیاوی زندگی کی زینت قرار دیا گیا ہے جیسے میک اپ عارضی ہوتا ہے جس کے اترنے سے اصل چہرہ سامنے آجاتا ہے۔ لہذا زینت کبھی بھی باقی نہیں رہتی باقی رہنے والی صرف نیکیاں ہیں۔

موت، غفلت کا پردہ چاک کردیتی ہے

اللہ نے کبھی دنیا کو زینت کہا اور اس کی عارضی اور فانی ہونے کی حیثیت کو اجاگر کیا۔۔۔ اور کبھی اسے دھوکہ، متاع الغرور، لھو ولعب (کھیل تماشا)، تفاخر اور تکاثر کہہ کر بیان فرمایا۔۔۔ اس طرح ایک اور جگہ اس دنیا کے بارے میں فرمایا کہ ہماری آنکھوں پر اس دنیا کی وجہ سے پردہ پڑ گیا ہے۔۔۔ ہم میں سے کوئی فوت ہوجائے تو کہتے ہیں کہ ''پردہ فرما گئے''۔۔۔ اللہ نے فرمایا: نہیں بلکہ ''پردہ اٹھ گیا''۔۔۔ موت پردہ ڈالتی نہیں ہے بلکہ پردہ اٹھادیتی ہے۔ ہماری آنکھوں پر اب اس زندگی میں پردہ پڑا ہوا ہے۔ ارشاد فرمایا:

لَقَدْ کُنْتَ فِیْ غَفْلَۃٍ مِّنْ ھٰذَا فَکَشَفْنَا عَنْکَ غِطَآءَکَ فَبَصَرُکَ الْیَوْمَ حَدِیْدٌO (سورہ ق، ۵۰ : ۲۲)

''حقیقت میں تُو اِس (دن) سے غفلت میں پڑا رہا سو ہم نے تیرا پردۂ (غفلت) ہٹا دیا پس آج تیری نگاہ تیز ہے''۔

گویا اس وقت ہم غفلت میں ہیں، پردہ غفلت ہماری آنکھوں پر ہے، موت اس پردہ کو اٹھادیتی ہے۔ کفار پر دھوکہ کا پردہ ہے اور مسلمانوں پر دھوکہ کا قلیل مگر غفلت کا کثیر پردہ ہے۔ گویا قرآن نے یہاں غفلت کا پردہ کہا۔ ارشاد فرمایا:

خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَعَلٰی سَمْعِھِمْ ط وَعَلٰی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ ز وَّلَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌO (البقرہ، ۲ : ۷)

''اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مُہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ (پڑ گیا) ہے اور ان کے لئے سخت عذاب ہے''۔

قبر کی نداء

گویا ہماری بصارتوں اور سماعتوں پر پردہ ہے اس لئے کہ قبر ہر روز کچھ آوازیں دیتی ہے۔۔۔ اسے معلوم ہے کہ میرے اندر سونے والا کون ہے۔۔۔ وہ کہتی ہے:۔۔۔ میں تاریکی کا گھر ہوں، روشنی کا بندوبست کرکے آنا۔۔۔ میں غربت وتنہائی کا گھر ہوں، وحشت کا گھر ہوں، نیک اعمال اور نیکیوں کو اپنی رفاقت بنا کر آنا۔۔۔ میں سانپوں اور بچھوؤں کا گھر ہوں جس نے حفاظت کا سامان کرکے آنا۔۔۔ میں تباہی و ہلاکت کا گھر ہوں زندگی اور آبادی کا سامان کرکے آنا۔۔۔ ہماری قبر ہر روز آواز دیتی ہے مگر ہماری سماعتوں پر غفلت کا پردہ ہے اس لئے اس آواز کو سنتے نہیں ہم روزانہ جنازے اور موت کا منظر دیکھتے ہیں مگر اس کے باوجود سمجھتے نہیں اس لئے کہ ہماری بصارتوں پر غفلت کا پردہ پڑا ہے۔

آخرت کے مقابلے میں زندگی کی حقیقت

ہم اس زندگی کو دائمی حیات سمجھ بیٹھے ہیں اس لئے سب کچھ دنیا کے لئے کرتے ہیں۔ جب ہم وہاں کی زندگی کی طوالت اور دوام دیکھیں گے جس کا ایک دن یہاں کے پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا تو پھر پردہ اٹھے گا۔ اس زندگی کے مقابلے میں یہ زندگی قرآن کے مطابق یوں نظر آئے گی۔

کَاَنَّھُمْ یَوْمَ یَرَوْنَھَا لَمْ یَلْبَثُوْآ اِلَّا عَشِیَّۃً اَوْ ضُحٰھَاO (النازعات : ۷۹، ۴۶)

''گویا وہ جس دن اسے دیکھ لیں گے تو (یہ خیال کریں گے کہ) وہ (دنیا میں) ایک شام یا اس کی صبح کے سوا ٹھہرے ہی نہ تھے''۔

وہ ساری زندگی یا تو ایک شام تھی یا صبح تھی۔۔۔ ہم ایک شام یا ایک صبح کے لئے ساری زندگی برباد کر رہے ہیں۔۔۔ کیا وہ انسان دانش مند ہوگا جو صرف ایک شام کی لذت وسکون و راحت کے لئے پوری زندگی تباہ کردے۔۔۔ ہماری مثال اس نادان کی سی ہے جو ایک دن کی صبح یا شام کے لئے پورا زمانہ زندگی برباد کر رہا ہے۔

اسی طرح سورۃ یونس میں ارشاد فرمایا گیا:

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ط قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ O (یونس: ۱۰، ۴۵)

''اور جس دن وہ انہیں جمع کرے گا (وہ محسوس کریں گے) گویا وہ دن کی ایک گھڑی کے سوا دنیا میں ٹھہرے ہی نہ تھے، وہ ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔ بیشک وہ لوگ خسارے میں رہے جنہوں نے اللہ سے ملاقات کو جھٹلایا تھا اور وہ ہدایت یافتہ نہ ہوئے''۔

جب قیامت کے دن اصل زندگی کی حقیقت سامنے آئے گی۔ غفلت کی نیند سونے والو!۔۔۔ اس زیب و زینت اور دھوکہ کو اصل زندگی بنا بیٹھنے والو!۔۔۔ عمل چھوڑ کر امل (امید) کو اپنانے والو!۔۔۔ عمل کی قلت کے ساتھ دنیا سے رخصت ہونے والے لوگ سوچیں۔۔۔ کہ جب حشر ہوگا، لوگ ہانکے جائیں گے۔۔۔ ہماری طرف بلائے جائیں گے۔۔۔ سورج سوا نیزے پر ہوگا۔۔۔ نفسا نفسی کا عالم ہوگا اور ایک دن ختم ہونے کا نام نہ لے گا۔۔۔ اس وقت تمہیں معلوم ہوگا کہ تم نے پوری زندگی جو گزاری وہ تو صرف ایک لمحہ تھا۔۔۔ پہلی آیت میں اس دنیوی زندگی کو اس اخروی زندگی کے مقابلے میں ایک شام کہا۔۔۔ اور اس آیت میں دنیوی زندگی کو پورے دن کے ایک لمحے سے تعبیر کیا۔

اس زندگی کو ایک لمحہ آج ہم کیوں نہیں سمجھ رہے۔۔۔ اس لئے کہ پردے ہیں۔۔۔ یہ پردے اٹھنے کا وقت کب آئے گا؟۔۔۔ اس سے پہلے کہ یہ غفلت کے پردے موت آکر اٹھائے، اس سے بہتر ہے کہ خود اٹھالیں۔۔۔ اگر ہم غفلت میں رہے اور موت نے پردہ اٹھایا تو پھر کچھ باقی نہ بچے گا، کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔۔۔ منہاج القرآن کے تمام پروگرامز خواہ وہ شب بیداری، 27 ویں شب کے اجتماع یا اعتکاف کی شکل میں ہیں سب کے سب عوام الناس کے پردہ غفلت کو چاک کرنے کی کاوشیں ہیں۔

اگر غفلت کا پردہ موت نے اٹھایا تو اس کے بعد ''عمل'' کا وقت ختم ہوجائے گا۔۔۔ پھر جزاء و سزا کا دن شروع ہوجائے گا۔۔۔ خدارا! عمل، عمل کے زمانے میں کرلو۔۔۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جب رات ختم ہوجائے اور دن طلوع ہوجائے تو عشاء کی نماز ادا نہیں ہوتی۔۔۔ اس طرح جب دن ختم ہوجائے تو اس وقت فجر، ظہر، عصر نہیں پڑھا کرتے۔۔۔ لوگو! ایسا نہ ہو کہ نماز رہتی ہو اور زندگی کا سورج ڈوب جائے۔۔۔ رات کا کام رات میں کرلو اور دن کا کام دن میں کرلو۔۔۔ ہماری زندگی کا سورج ڈوبنے کو ہے۔۔۔ ڈوبا جا رہا ہے۔۔۔ دنیاوی زندگی ایک لمحہ ہے جس پر ہم پورا برزخ آخرت، قیامت قربان کر رہے ہیں۔۔۔ اگر یہ پردہ غفلت موت نے اٹھایا تو کیا ہوگا۔۔۔

عذابِ قبر

جب موت، پردہ اٹھائے گی تو لوگ کہیں گے کہ مولا! اب سمجھ میں آیا۔۔۔ اب ایک مہلت اور دے دے، دنیا میں بھیج دے، اب میں اعمال صالحہ کرکے آؤں گا۔۔۔ آواز آئے گی کہ۔۔۔ نہیں اب عمل کا وقت گزر گیا۔۔۔ اب جو کمائی کرلی ہے اس کا حساب ہوگا۔۔۔ اب تول کا وقت ہے۔۔۔ قبر یوم الدین، یوم جزاء و سزا کا پہلا مرحلہ ہے۔۔۔

غافلوں اور بے پرواہوں کے لئے عذاب، قبر ہی سے شروع ہو جائے گا۔

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ’’اگر موت نے پردہ غفلت اٹھایا تو پھر قبر میں سوائے عذاب کے کچھ نہ ملے گا اور اتنا عذاب ہوگا کہ اس کی چیخیں انسان وجن کے علاوہ کل حیوانات و چرند پرند سنتے ہیں۔ شرق سے غرب تک آوازیں جائیں گی‘‘۔

(الصحیح البخاری، جلد ا ص ۴۴۸، حدیث ۱۳۷۳)

☆ حضور ﷺ ہمیشہ فرماتے کہ ’’لوگو عذاب نار اور عذاب قبر سے پناہ مانگا کرو‘‘۔

(صحیح ابن حبان، جلد ۷ ص ۳۹۵ حدیث ۳۱۲۵)

☆ تلاوت قرآن کے دوران حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب آخرت کی کوئی آیت تلاوت کرتے تو اس زور سے چیخ مارتے کہ نماز میں آخری صف میں موجود صحابی بھی اس کو سن لیتا اور بعض اوقات جب آخرت کی آیت کی تلاوت کرتے یا سنتے تو غش کھا کر گر پڑتے۔۔۔ روم اور ایران کی سلطنتوں کو فتح کرنے والا جری۔۔۔ حضور ﷺ کا کمانڈر انچیف۔۔۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ۔۔۔ قیصر و کسریٰ جس کے نام سے تھرتھراتے تھے۔۔۔ جب خوف آخرت، خوف قبر کی بات آتی تو غش کھا کر گر پڑتے۔۔۔ حدیث مبارکہ ہے کہ صحابہ کرام کئی بار 3/3 دن تک ان کی عیادت کو آتے۔ اللہ نے ارشاد فرمایا:

يَابَنِیْٓ اٰدَمَ لَايَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ. (الاعراب، ۷:۲۷)

’’اے اولاد آدم! (کہیں) تمہیں شیطان فتنہ میں نہ ڈال دے جس طرح اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکال دیا‘‘۔ لوگو! شیطان کے دھوکے میں نہ آنا۔۔۔ کیونکہ اس نے اول دن قسم کھائی تھی کہ میں ان کو گمراہ کردوں گا۔۔۔ اور ان کو دنیا کی زیب و زینت اور آرائش میں مبتلا کردوں گا۔۔۔ دنیا کے دھوکے میں مبتلا کردوں گا۔۔۔ دنیا کو ایسا آراستہ کرکے، ایسی خواہش بنا کر ان کے دلوں میں رکھ دوں گا کہ ہر شخص کا دل اس کی طرف للچائے گا اور ہر شخص کا جینا مرنا دنیا کے لئے کردوں گا۔۔۔ وہ تجھے (اللہ) بھی بھول جائیں گے اور آخرت کو بھی بھول جائیں گے۔۔۔ پس شیطان اپنے کام میں مصروف عمل ہے۔۔۔ اللہ تعالیٰ ہمیں خود بتا رہے ہیں کہ اس شیطان کے دھوکے میں نہ آنا۔۔۔ اس سے زیادہ شفقت اور رحیمی کیا ہوگی۔۔۔ کہ ایسے پیارے طریقے سے رب اپنے بندوں کو سمجھا رہا ہے۔ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ مَالَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ. (الروم، ۳۰:۵۵)

’’اور جس دن قیامت برپا ہوگی، مجرم لوگ قسمیں کھائیں گے کہ وہ (دنیا میں) ایک گھڑی کے سوا ٹھہرے ہی نہیں تھے‘‘۔ پھر ارشاد فرمایا:

يَسْأَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْضُحَاهَا. (النزعات)

’’(کفار) آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں گویا وہ جس دن اسے دیکھ لیں گے تو (یہ خیال کریں گے کہ) وہ (دنیا میں) ایک شام یا اس کی صبح کے سوا ٹھہرے ہی نہیں تھے‘‘۔ پھر ارشاد فرمایا:

كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَايُوْعَدُوْنَ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ. (الاحقاف، ۴۶:۳۵)

’’جس دن وہ اس (عذاب آخرت) کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جارہا ہے تو (خیال کریں گے) گویا وہ (دنیا میں) دن کی ایک گھڑے کے سوا ٹھہرے ہی نہیں تھے‘‘۔

اس طرح قرآن پاک میں متعدد آیات ہمیں دنیا کی بے ثباتی کی طرف متوجہ کرتی ہیں۔ (جاری ہے) ☆☆

الحدیث

زائرین و حجاج کیلئے خصوصی نوازشیں

علامہ محمد معراج الاسلام

مَنْ مَلَکَ زَادَ اَوْ رَاحِلَۃ تُبَلِّغہ اِلٰی بَیْتِ اللّٰہِ وَلَمْ یحج فَلَا عَلَیْہِ اَنْ یَموتَ یَھودیًا اَوْ نصرانیًا۔ (جامع ترمذی)

’’جو شخص زادِ راہ اور سواری کا مالک ہوگیا جو اسے بیت اللہ شریف تک پہنچاسکتی تھی اور اس نے پھر بھی بیت اللہ شریف کا دیدار اور حج نہ کیا تو وہ بے شک یہودی یا نصرانی ہوکر مرے۔ (اس پر کوئی پابندی نہیں)‘‘۔

شرح حدیث

اس حدیث پاک میں زیارت کعبہ اور اس کے دیدار و حج کی اہمیت بیان کی گئی ہے کہ جو شخص مالی استحکام رکھنے کے باوجود اس کے دیدار کے لئے دل میں تڑپ محسوس نہیں کرتا اور باقاعدہ تیاری کر کے اس کے حضور نہیں پہنچتا وہ مجرم و گناہ گار بن جاتا ہے اور اس کا یہ جرم ناقابل تلافی ہوتا ہے۔ جس کا نتیجہ آخری وقت میں ایمان سے محرومی کی شکل میں بھی نکل سکتا ہے۔ اس کی زیارت کو یہ اہمیت اس لئے دی گئی ہے کیونکہ وہ اس دنیا کی معمولی عمارت نہیں ہے بلکہ مرکزِ جمالِ الٰہی اور مہبطِ انوار وتجلیات ہے۔ اس کا دیدار، انوار و جمالِ الٰہی کے دیدار کے مترادف ہے، اور اس کا دیکھنا بھی عین عبادت ہے۔ اسی خصوصیت و فضیلت کی بدولت وہ اپنے زائرین کو خصوصی فیضان و برکات سے بھی نوازتا ہے اور قیامت کے دن بطور خاص انہیں اپنی پناہ میں لے کر جنت کی دہلیز تک پہنچائے گا، اس کی یہی خصوصیات قدرے تفصیل سے بیان کی جاتی ہیں۔

زائرین کے لئے کعبہ شریف کی شفاعت

کعبہ شریف کا وجود تمام عالم اسلام اور اہل ایمان کے لئے بڑا ہی باعث برکت ہے، وہ ان کے اتحاد و یکجہتی کی خوبصورت علامت ہے اور اس کی محبت، سب کی مشترکہ میراث ہے۔ ایک مسلمان خواہ دنیا کے کسی بھی کونے میں موجود ہو، وہ اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا ہے اور اس سے عقیدت و محبت کے اظہار کے ساتھ اس سے نوری فیضان حاصل کرتا ہے اور اس کی روحانی برکات سے فیض یاب ہوتا ہے۔

کعبہ معظمہ، آخرت کا سہارا بھی ہے۔ وہ محض ایک کوٹھا اور اینٹ پتھر سے بنا ہوا ایک مکان نہیں بلکہ انوار الٰہیہ کا مرکز ہے، اس کی برکات زمان و مکان کی حدود سے ماوراء ہیں، اس کے فوائد و منافع بے شمار ہیں، انسانی ذہن ان کے ادراک سے قاصر اور زبان ان کے بیان سے قاصر ہے۔ اس کے فضائل و فوائد میں سے یہاں اس وقت صرف ایک پہلو کا بیان مقصود

ہے اور وہ ہے زائرین وحجاج کے لئے کعبہ کی شفاعت۔ یعنی کعبہ شریف بروز قیامت اپنی زیارت اور حج وعمرہ کے لئے آنے والوں کی باقاعدہ شفاعت کرے گا اور انہیں بخشوا کر اپنے ہمراہ جنت میں لے جائے گا اس کی تفصیل یوں ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں: ''فرشتے کعبہ شریف کو اچھی طرح بنا سنوار کر اور خوب آراستہ و پیراستہ کر کے میدان حشر میں لائیں گے، وہ سب سے پہلے بارگاہ رسالت میں حاضری دے گا اور عرض کرے گا **السّلام علیک یامُحمّد**۔

حضور ﷺ جواب دیں گے: **وعلیک السّلام یابیتَ اللّٰہ** حضور ﷺ پوچھیں گے: اے کعبہ! یہ بتاؤ، میری امت نے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا، اور اب تم اس کے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟ کعبہ عرض کرے گا یارسول اللہ! آپ کا جو امتی میری زیارت کے لئے آیا آپ اس کی طرف سے بے فکر ہو جائیں، میں اس کی شفاعت کروں گا اور اسے بخشوا لوں گا۔ رہ گئے وہ لوگ جو میری زیارت کے لئے نہیں آسکے، تو میرے آقا! ان کا آپ انتظام فرمالیں اور شفاعت کر کے بخشوالیں۔ (تفسیر عزیزی فارسی: ۴۶۳)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں ذکر فرمایا ہے۔

ان الکعبہ تحشر کالعروس المزفوفة و کل من حجها یتعلق باستارها یسعون حولها حتی تدخل الجنة فیدخلون معها. (احیاء العلوم، ۱: ۲۴۱)

''کعبہ شریف کو نئی نویلی دلہن کی طرح سجا کر میدان حشر میں لایا جائے گا۔ حاجی دیوانہ وار لپک کر اس کا غلاف تھام لیں گے اور اس کے ساتھ دوڑنا شروع کر دیں گے۔ اس نرالی شان کے ساتھ کعبہ، جنت میں داخل ہوگا تو وہ بھی اسی طرح اس کا دامن پکڑے ہوئے جنت میں چلے جائیں گے۔

کعبہ شریف کو دیکھنا عبادت ہے

عبادت، حرکت و عمل اور محنت و مشقت کا نام ہے، ہر عبادت کے لئے ہاتھ پاؤں ہلانا پڑتے ہیں اور کچھ نہ کچھ کرنا پڑتا ہے، تب وہ وجود میں آتی ہے، مثلاً کسی نے نماز پڑھنی ہو تو پہلے وہ وضو کرتا ہے؟ پھر نیت باندھ کر کھڑا ہوتا ہے، اٹھتا، بیٹھتا اور رکوع و سجود کرتا ہے، تب اس کی نماز مکمل ہوتی ہے۔ حج کرنا ہو تو اس کے ارکان و مناسک ادا کرنے کے لئے دور دور تک جانا آنا پڑتا ہے، صدقات وخیرات کے لئے مال و دولت کو خرچ کرنا پڑتا ہے، اگر کسی مظلوم کی امداد کرنے کا ارادہ ہو تو بعض اوقات اس کے لئے بے حد حساب دوڑ دھوپ کرنا پڑتی ہے۔ غرض ہر نیک کام اور عبادت کے لئے کوئی نہ کوئی عمل لازم ہے، محض دیکھنے اور بیٹھے رہنے سے وہ مکمل نہیں ہوتا۔ لیکن کعبہ معظمہ کی اپنی ایک الگ فضیلت اور منفرد شان ہے، یہ وہ مرکز نور و رحمت ہے۔ جسے صرف دیکھتے رہنا بھی عبادت ہے بلکہ افضل عبادت ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

''جو شخص صرف کعبہ شریف کو دیکھتا رہتا ہے، اس کا یہ عمل اس شخص سے افضل ہے جو رات بھر جاگ کر عبادت کرتا ہے یا مسلسل روزے رکھتا ہے، یا اللہ کے راستے میں جہاد کرتا رہتا ہے۔

کعبہ شریف انوار تجلیات کا مرکز ہے، اس کے در و دیوار پر ہر آن انوار کی بارش ہوتی رہتی ہے اور رحمت کا نزول جاری رہتا ہے۔ گویا وہاں ہر وقت نور و رحمت کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا رہتا ہے۔ اس لئے اس نور کے سمندر سے صرف وہی لوگ فیض حاصل نہیں کرتے جو طواف و عبادت میں مصروف ہوں بلکہ وہ لوگ بھی نور و رحمت کا حصہ پالیتے ہیں جو کعبہ شریف کو دیکھ رہے ہوں کیونکہ اس کا دیکھنا بھی عبادت ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

ینزل علی هذا البيت فى كل يوم مائة و عشرون رحمة ستون للطائفين واربعون للمصلين وعشرون للناظرين.

''بیت اللہ شریف پر ہر روز ایک سو بیس رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ ساٹھ طواف کرنے والوں کے لئے، چالیس نماز پڑھنے والوں کے لئے، اور بیس دیکھنے والوں کے لئے''۔

جو شخص صرف کعبہ شریف کو دیکھتا رہتا ہے، اس کا یہ عمل اس شخص سے افضل ہے جو رات بھر جاگ کر عبادت کرتا ہے یا مسلسل روزے رکھتا ہے، یا اللہ کے راستے میں جہاد کرتا رہتا ہے

کعبہ شریف کو دیکھنا انسان کی بہت بڑی سعادت بلکہ اس کی زندگی کی معراج ہے، اس سے انسان کے گناہ بخشے جاتے ہیں مگر اس کے علاوہ بھی اسے ایک بہت بڑا اعزاز نصیب ہوتا ہے اور وہ اس کی نگاہِ رحمت کا اٹھنا ہے، نگاہِ رحمت جس کی طرف اٹھ جائے، اس کا بیڑا پار ہوجاتا ہے، قیامت کے دن، ناپسندیدہ لوگ اس نگاہِ رحمت کو ترسیں گے، مگر وہ انہیں نصیب نہیں ہوگی۔ اس لئے وہ دوزخ میں جھونک دیئے جائیں گے۔

اُولٰئِکَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ.

''اور ان لوگوں کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا، قیامت کے روز اللہ تعالیٰ نہ ان سے کلام فرمائے گا، نہ ان کی طرف نگاہِ رحمت سے دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا ایسے لوگوں کے لئے الم ناک عذاب ہے''۔

مگر اہل ایمان کو قیامت کے روز یہ نگاہِ رحمت حاصل ہوگی۔ کعبہ شریف کی برکت یہ ہے کہ جو لوگ حرم شریف میں بیٹھے ہوں یا طواف و زیارتِ کعبہ میں مصروف ہوں، انہیں دنیا ہی میں یہ نگاہِ رحمت حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ سب سے پہلے نگاہِ رحمت کے ساتھ انہیں دیکھتا ہے۔ تفصیل یہ ہے:

ان الله ينظر فى كل ليلة الى اهل الارض فاول من ينظر اليه اهل الحرام، واول من ينظر اهل الحرام اهل مسجد الحرام ومن رآه طائفا غفرله ورآه مصليا غفرله، ومن رآه مستقبل الكعبة غفرله.

(احیاء العلوم، ۱: ۲۴۲)

''بے شک اللہ تعالیٰ ہر رات اہل زمین کو دیکھتا ہے۔ سب سے پہلے حرم شریف میں موجود لوگوں پر اور ان سے بھی پہلے مسجد حرام میں موجود لوگوں پر نگاہ رحمت فرماتا ہے۔۔۔ جسے دیکھتا ہے کہ طواف کررہا ہے، اسے بھی بخش دیتا ہے۔۔۔ جسے دیکھتا ہے کہ نماز پڑھ رہا ہے، اسے بھی بخش دیتا ہے۔۔۔ جسے دیکھتا ہے کہ کعبہ شریف کے سامنے کھڑا ہے اسے بھی بخش دیتا ہے''۔

ایک حدیث پاک میں ہے کہ

النظر الى الكعبة عبادة ومن نظر الى البيت ايمانا واحتسابا غفرله ماتقدم من ذنبه وماتاخر ويحشر يوم القيامة من الامنين.

''کعبہ کو دیکھنا عبادت ہے جو شخص ایمان اور خلوص نیت کے ساتھ کعبہ کو دیکھتا ہے، اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں، وہ قیامت کے روز ان لوگوں کے ہمراہ اٹھے گا جو امن و امان میں ہوں گے''۔

صحیح البخاری کی روشنی میں

حصہ سوم (ا)

حضور ﷺ کا اختیارِ تشریعی

حضور ﷺ کی شانِ قاسمیت

معرفتِ مقامِ مصطفی ﷺ اور سوالاتِ قبر

زیارتِ روضۂ رسول ﷺ و اولیائے کرام

عقیدۂ توسل

کے موضوعات پر

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا برمنگھم UK میں دورہ صحیح البخاری کی تیسری نشست میں علمی و تحقیقی خطاب

ترتیب و تدوین:
محمد یوسف (منہاجین)

گذشتہ اقساط کا خلاصہ: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے دورہ صحیح البخاری کی پہلی نشست (اشاعت: ماہ نومبر 06، ترتیب و تدوین: محمد یوسف منہاجین) میں عقائد اہل سنت اور فقہ حنفی سے متعلق متعدد اشکالات کا ازالہ فرمایا۔ آپ نے اپنی ابتدائی گفتگو میں سند/ اسناد کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے اہل سنت پر شخصیت پرستی کا لیبل لگانے والوں کا علمی محاکمہ کیا۔ شیخ الاسلام نے مزید فرمایا کہ امام بخاری کے اساتذہ کرام کی اکثریت فقہ حنفی سے تعلق رکھتی تھی نیز آپ کے والد گرامی بھی امام اعظم کے شاگرد تھے۔ علاوہ ازیں صحیح البخاری کے فروغ میں حنفی آئمہ کا عمل دخل ہے۔ شیخ الاسلام نے صحیح البخاری کے ترجمۃ الباب اور حدیث الباب کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ صحیح البخاری کے ترجمۃ الباب، امام بخاری کا اجتہاد اور ان کی فقہ ہے نہ کہ حدیث مصطفی ﷺ۔ اس لئے کہ صحیح البخاری صرف حدیث ہی کی کتاب نہیں بلکہ امام بخاری کی فقہ بھی ہے اور وہ اپنی فقہ/ اجتہاد کو ترجمۃ الباب میں ذکر کرتے ہیں۔ لہذا امام بخاری کی فقہ/ اجتہاد سے اختلاف کیا جاسکتا ہے۔ بعد ازاں شیخ الاسلام نے صحیح البخاری کے تراجم الابواب پر بحث کرتے ہوئے رفع یدین، آمین بالجہر، قرأت خلف الامام اور امام اعظم پر ہونے والے دیگر اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ امام اعظم کی فقہ حنفی احادیثِ صحیحہ پر قائم ہے۔

شیخ الاسلام نے درس صحیح البخاری کی دوسری نشست (اشاعت ماہ دسمبر 06) میں بخاری شریف کی احادیث کی روشنی میں مقام و محبتِ مصطفی ﷺ، تمثلِ ارواح، علم الغیب، حقیقتِ بدعت، شخصیت پرستی، محبتِ اولیاء، رؤیائے صالحہ، اصلاحِ قلب اور تصوف جیسے موضوعات پر عقلی و نقلی دلائل بیان فرمائے۔

☆ کتاب العلم، باب 10 : قَوْلُ النَّبِيِّ ﷺ رُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰی مِنْ سَامِعٍ

(جس تک بات پہنچائی جائے، ہوسکتا ہے وہ پہنچانے والے سے زیادہ صاحبِ فہم ہو)

حدیث ٦٧: عَنْ عبدالرحمن بن اَبِیْ بَکْرَۃَ عَنْ اَبِیْهِ ذَکَرَ النبیُّ ﷺ قَعَدَ عَلٰی بَعِیْرِهٖ وَاَمْسَکَ اِنْسَانُہٗ بِخِطَامِهٖ اَوْ بِزِمَامِهٖ قَالَ اَیُّ یَوْمٍ هٰذَا فَسَکَتْنَا حَتّٰی ظَنَنَّا اَنَّهٗ سَیُسَمِّیْهِ سِوٰی اِسْمِهٖ قَالَ اَلَیْسَ یَوْمُ النَّحْرِ قُلْنَا بَلٰی قَالَ فَاَیُّ شَهْرٍ هٰذَا فَسَکَتْنَا حَتّٰی ظَنَنَّا اَنَّهٗ سَیُسَمِّیْهِ بِغَیْرِ اِسْمِهٖ قَالَ اَلَیْسَ بِذِی الْحِجَّۃِ قُلْنَا بَلٰی......

.....لِیُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَاِنَّ الشَّاهِدَ عَسٰی اَنْ یُّبَلِّغَ مَنْ هُوَ اَوْعٰی لَهٗ مِنْهُ.

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر جو خطبہ ارشاد فرمایا اس کا ذکر موجود ہے۔ اس حدیث کو امام بخاری نے صحیح البخاری میں متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے۔

حضور ﷺ کے اختیارِ تشریعی کی حقیقت

اس حدیث مبارکہ سے عقیدہ کے باب میں جو چیز معلوم ہو رہی ہے وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے تقریباً سوا لاکھ صحابہ کرام سے خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے یہ پوچھا کہ اَیُّ یَوْمٍ هٰذَا (آج کون سا دن ہے) یہ جاننے کے باوجود کہ یہ قربانی کا دن ہے، صحابہ کرام عرض کرتے ہیں کہ ہم خاموش رہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ صحابہ نے کہا اَللّٰہُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ (اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے)۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا سب کو معلوم نہ تھا کہ یہ یوم النحر (قربانی کا دن) ہے مگر اس کے باوجود جواب نہ دیا۔ جواب نہ دینے کا سبب صحابہ نے بیان کیا کہ حَتّٰی ظَنَنَّا اَنَّهٗ سَیُسَمِّیْهِ سِوَاءَ اِسْمِهٖ ''ہمیں یہ خیال گزرا کہ شاید حضور ﷺ آج یعنی یوم النحر کا دن بدلنا چاہتے ہیں''۔

اس سے حضور کے اختیار کے بارے میں معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے عقیدے میں حضور ﷺ کے اختیار تشریعی کی حقیقت کیا تھی۔ صحابہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اگر آج حضور ﷺ یہ فرمادیں کہ یہ یوم نحر نہیں بلکہ کوئی اور دن ہے تو آج قربانیاں نہیں ہوں گی اور دن بدل جائے گا۔۔۔ گویا حضور ﷺ اگر چاہیں تو وہ دن جو شریعت نے قربانی کے لئے مقرر کر رکھا ہے اس کو بھی بدل سکتے ہیں۔۔۔ یعنی جس دن کو بھی چاہیں بدل دیں وہی شریعت بن جائے گی۔

حضور ﷺ کے سوال پر جواب نہ دینا ادب صحابہ کو بھی ظاہر کرتا ہے کیونکہ صحابہ فرماتے ہیں کہ ہمیں معلوم نہ تھا کہ حضور ﷺ کا منشاء کیا ہے؟۔۔۔ ممکن ہے ہم جواب میں یوم النحر کہہ دیں لیکن حضور ﷺ کا منشاء کچھ اور ہو۔۔۔ لہذا اس خوف و ڈر سے کہ کہیں ہمارا جواب منشائے رسول ﷺ کے خلاف نہ ہوجائے، ادب کے تقاضے کی بناء پر خاموش رہے۔ صحابہ کرام کی خاموشی پر آپ ﷺ نے فرمایا:

اَلَیْسَ یَوْمُ النَّحْرِ ''کیا یہ قربانی کا دن نہیں ہے؟''۔۔۔ صحابہ نے عرض کیا ''بلٰی'' ''جی ہاں، یہ قربانی کا دن ہے''۔

اسی طرح حضور ﷺ نے یہ جاننے کے باوجود کہ یہ ذوالحجہ کا مہینہ ہے۔ صحابہ کرام سے پوچھا کہ یہ کونسا مہینہ ہے؟۔۔۔ دوسری روایت میں ہے کہ صحابہ کرام نے اسی طرح پیکر ادب بنتے ہوئے یہی عرض کیا کہ اَللّٰہُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ ''اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے''۔۔۔ صحابہ کہتے ہیں: کہ ہم نے یہ گمان کیا کہ حضور ﷺ شاید ماہ ذوالحجہ کو بدلنا چاہتے ہیں۔۔۔ اس لئے کہ ان کا عقیدہ تھا کہ زبان مصطفیٰ ﷺ سے جو نکل جائے گا وہی چیز مقرر ہوجائے گی۔۔۔ حضور ﷺ نے فرمایا: الیس ذوالحجه کیا یہ ذوالحج نہیں ہے''۔۔۔ تب صحابہ نے عرض کیا: ''بَلٰی یَارَسُوْلَ اللّٰہ'' جی ہاں، ذوالحجہ ہے۔

بخاری شریف کی دیگر روایتوں میں ہے کہ حضور ﷺ نے اس کے بعد کعبۃ اللہ/ مکہ معظمہ کی طرف اشارہ کرکے

فرمایا اَیُّ بَلَدٍ ھٰذَا ''یہ کونسا شہر ہے''۔۔۔ سب کو معلوم ہے مگر صحابہ اَللّٰہُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم کے سواء کچھ نہ بولے۔ صحابہ کہتے ہیں کہ ہم سمجھے شاید حضور ﷺ آج مکہ کا نام بدلنا چاہتے ہیں۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ مکہ کا نام کسی مورخ نے نہیں رکھا بلکہ متعدد مقامات پر ہے کہ یہ نام خود اللہ نے رکھا ہے۔ اس کے باوجود صحابہ کا عقیدہ ہے کہ اگر حضور ﷺ چاہیں تو اللہ کے رکھے ہوئے نام کو بھی بدل سکتے ہیں اور زبان اقدس سے جو نکل جائے گا وہ شریعت بن جائے گی۔۔۔ صحابہ کرام کی خاموشی پر حضور ﷺ نے فرمایا: کہ ''کیا مکہ نہیں ہے''؟۔۔۔ تب صحابہ نے عرض کیا: ''جی ہاں یارسول اللہ ﷺ یہ مکہ شہر ہے''۔

امام بخاری نے اس حدیث کو اس کثرت کے ساتھ جابجا صحیح البخاری میں ذکر کیا ہے کہ بار بار پڑھ کر مجھے یہ گمان ہوا کہ امام بخاری کو صحابہ کرام کے اس ادب کے تصور میں لذت اور حلاوت نصیب ہوتی ہے۔ بارگاہ رسالت ﷺ میں سکوت، علامتِ کمال ادب تھی اور اس پر امام بخاری کو وہ حلاوت نصیب ہوئی ہے کہ کئی مقامات پر جہاں تھوڑی سی مناسبت ملی پھر یہ حدیث وارد کردی۔ نیز بار بار وارد کرنے کی حکمت یہ تھی کہ صحابہ کرام کا جواب کہ ''حضور ﷺ آپ ہی کو معلوم ہے'' اس جواب میں ایک لذت ہے اور صحابہ کرام کا حضور ﷺ کے اختیار تشریعی کے حوالے سے عقیدہ بھی واضح ہورہا ہے۔

اثباتِ فقہ و تحدیث

لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَاِنَّ الشَّاهِدَ عَسٰى اَنْ يُبَلِّغَ مَنْ هُوَ اَوْعٰى لَهٗ مِنْهُ ''جو حاضر ہے وہ غیر حاضر تک یہ پہنچادے اور جس کو پہنچاؤ ممکن ہے وہ پہنچانے والے سے زیادہ صاحب فقہ وفہم ہو''۔

حدیث مبارکہ میں مذکور ان الفاظ میں اثباتِ فقہ اور ثبوت تحدیث کی طرف اشارہ ہے۔۔۔ سن کر آگے پہنچانا یہ راوی اور محدث کا کام ہے اور یہ تحدیث ہے۔ گویا حدیث مبارکہ کے اس حصہ سے ثبوت تحدیث ملا۔۔۔ نیز فرمایا کہ جس کو پہنچاؤ ممکن ہے وہ پہنچانے والے سے زیادہ صاحب فقہ وفہم ہو، اس کے معنی ومراد کو زیادہ سمجھنے والا ہو اور وہ صاحب الفقہ ہے۔ ایک ہی حدیث میں حضور ﷺ نے دو اثبات فرمادیئے۔۔۔ ایک تحدیث جس سے امت میں محدث بنے۔۔۔ اور ایک جس کو پہنچایا اور وہ اس کے معنی مراد کو زیادہ سمجھنے والا ہوسکتا ہے اس سے فقیہ بنے۔۔۔ اَوْ اَعْلٰى مِنْهُ سے امام اعظم اور ان کے متبعین اور فقہاء بنے۔۔۔ اور لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ سے امام بخاری اور دیگر محدثین بنے۔

☆باب ۱۴ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ.

اللہ جس سے خیر کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین میں فقہ عطا کردیتا ہے۔

حدیث ۷۱: قال حميد بن عبدالرحمن سمعت معاوية خطبا سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِيْ.......

''حمید بن عبدالرحمٰن نے کہا کہ میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دوران خطاب یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ جس سے خیر کا ارادہ فرمائے اس کو دین میں فقیہ بنادیتا ہے اور میں قاسم ہوں اور اللہ عطا فرمانے والا ہے۔۔۔''

اثباتِ فقہ

اس حدیث مبارکہ میں اثبات فقہ کے حوالے سے اشارہ موجود ہے۔ بعض ذہنوں میں ناروا، ناجائز طور، غلطی سے اور کم فہمی کی وجہ سے یہ خیال آتا ہے کہ شریعت صرف قرآن وسنت کا نام ہے لہذا فقہ کا وجود میں آنا قرآن وسنت

پر اضافہ ہے اور یہ بدعت ہے۔ درج بالا حدیث مبارکہ سے اس مغالطہ کا ازالہ ہو رہا ہے اور یہ ثابت ہو رہا ہے کہ فقہ، بدعت نہیں بلکہ سنت ہے۔۔۔ کیونکہ حدیث کی درایت کا نام فقہ ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ جس سے خیر کا ارادہ فرماتا ہے اس کو دین میں فقہ عطا کر دیتا ہے۔ پس حدیث مبارکہ کی روشنی میں یہ ثابت ہوا کہ جس کو فقہ نصیب ہو جائے وہ خوش نصیب ہے اس لئے کہ اس کے ساتھ اللہ نے خیر اور بھلائی کا ارادہ فرمایا ہے۔ پس جس امر کو صاحب شرع حضور ﷺ نے ارادہ الٰہی اور ارادۂ خیر کے ساتھ تعبیر کیا اس کو بدعت یا دین میں اضافہ تصور کرنا، اللہ کے ارادے کے خلاف بغاوت کے مترادف ہے۔ امت محمدی ﷺ میں اللہ تعالیٰ نے جس کے ساتھ سب سے بڑھ کر خیر کا ارادہ فرمایا اس کو امت کا سب سے بڑا فقیہ بنادیا اور جو امت کا سب سے بڑا فقیہ ہوا، ان کا نام امام اعظم ابوحنیفہ ہے۔

حضور ﷺ کی شانِ قاسمیت

دوسری چیز جو عقیدہ کے باب میں اس حدیث سے واضح ہو رہی ہے وہ یہ ہے کہ بہت سارے لوگ جو بالغور کتب حدیث کو نہیں پڑھتے اور ٹکڑے کہیں سے پڑھ کر یاد کر لیتے ہیں۔۔۔ اصل کتاب چونکہ نہیں پڑھی ہوتی اس لئے سیاق و سباق اور کامل مضمون ذہن میں نہیں ہوتا۔۔۔ اس حدیث کا کامل مضمون یہ ہے کہ فرمان رسول ﷺ صرف اس قدر نہیں ہے کہ ''جس سے اللہ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین میں فقہ عطا کر دیتا ہے'' اس سے تو صرف ارادۂ الٰہی کا پتہ چل رہا ہے۔ اللہ یہ ارادہ کرتا کس کے ساتھ ہے؟ اور کیوں کرتا ہے؟ اس کو جاننے کے لئے حدیث کے کامل مضمون کو دیکھنا ہوگا اور حدیث مبارکہ کا اگلا حصہ یہ ہے۔

وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِى. ''اور بے شک تقسیم کرنے والا میں ہی ہوں اور عطا کرنے والا اللہ ہے''۔

اس حصہ کو حضور ﷺ نے معا يفقهه فی الدين کے بعد وارد فرمایا ہے۔ اللہ کا ارادہ خیر یہ ہے کہ جس کی طرف اللہ ارادہ خیر سے متوجہ ہو جائے اسے دین کا فقیہ بنا دیتا ہے۔۔۔ اور فقہ فی الدین ملتی کیسے ہے؟۔۔۔ اللہ کا ارادہ خیر ہوتا کیسے ہے؟۔۔۔ اس کے لئے فرمایا اِنَّمَا اَنَا قَاسِمُ وَاللّٰهُ يُعْطِى ''خیرات تو اللہ کی ہے مگر یہ تقسیم صرف در مصطفیٰ ﷺ سے ہوتی ہے۔ حدیث کے سیاق و سباق کو ملائیں تو واضح ہوتا ہے کہ تفقہ فی الدین تقسیم ہو رہی ہے۔۔۔ دین کی فقہ، علم، فہم کامل، معرفت تامہ، قوت استنباط و استدلال، قوتِ انطباق و استخراج جو بندے کو دین کے اندر فقیہ بناتی ہے۔۔۔ یہ خیرات صرف ان کو ملتی ہے جو حضور ﷺ کے دربار گہربار سے خیرات طلب کرتے ہیں اور اس کا عقیدہ بھی رکھتے ہیں۔۔۔ اِنَّمَا کلمہ حصر ہے۔۔۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ارادہ تو اللہ کا تھا مگر اللہ کے ارادۂ خیر کو تقسیم کرنے والا صرف میں ہوں۔۔۔ پس جو لوگ درِ مصطفیٰ ﷺ سے سائل بن کر جتنا زیادہ متمسک ہوتے ہیں۔۔۔ مضبوطی کا تعلق رکھتے ہیں انہی کو اللہ کے ارادۂ خیر کی خیرات ملتی ہے۔ گویا فقیہ وہی ہوتا ہے جو حضور ﷺ کی بارگاہ قاسمیت کے ساتھ منسلک ہوتا ہے۔

توسل کی ضرورت کیوں؟

حدیث سے تیسرا نکتہ عقیدہ کے باب میں جو ظاہر ہو رہا ہے وہ یہ ہے کہ بعض لوگوں کو کثرت کے ساتھ یہ مغالطہ پیدا ہوتا ہے کہ تمہیں توسل کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے؟۔۔۔ جب دینا اللہ نے ہے تو توسل و وسیلہ کی ضرورت کیوں ہے؟۔۔۔ اس سوال کا جواب اور اس مغالطہ کا ازالہ یہ ہے کہ ہم نے صرف یہ سنا ہے کہ اللہ دیتا ہے لیکن کبھی اس پر غور نہیں کیا کہ اللہ دیتا کسے ہے؟۔۔۔ کوئی شک نہیں کہ اللہ دیتا ہے مگر آؤ صاحب شریعت سے پوچھیں کہ آقا ﷺ دینے والا

تو اللہ ہے مگر یہ تو بتائیں دیتا کسے ہے؟۔۔۔ حضور ﷺ نے فرمایا: وَاللّٰهُ يُعْطِي ''اللہ مجھے عطا کرتا ہے'' اور پھر آگے میں تقسیم کرتا ہوں۔۔۔ گویا عطا کا مورد بارگاہ الٰہی ہے اور تقسیم کا منبع حضور ﷺ کی ذات ہے۔۔۔ ہمارا تعلق عطا سے نہیں، تقسیم سے ہے۔۔۔ عطائے الٰہی بواسطہ رسالت تقسیم ہورہی ہے اور اسی کو وسیلہ کہتے ہیں۔ اس لئے اللہ پاک نے فرمایا:

اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ. (الكوثر، ١٠٨:١)

''بے شک ہم نے آپ کو (ہر خیر وفضیلت میں) بے انتہا کثرت بخشی ہے''۔

''اَعْطَيْنٰكَ'' صیغہ ماضی ہے اور صیغہ ماضی میں فعل بسا اوقات یقین اور تیقن کے لئے آتا ہے۔ اعطینک میں تیقن ہے کہ بالیقین اور ''اِنَّــــا'' کے ذریعے تیقن پر تکرار آ گیا۔۔۔ فرمایا کہ یقیناً یقیناً ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا کردی۔۔۔ کہا جاسکتا ہے کہ کوثر تو جنت کی ایک نہر ہے تو آپ نے خیر کثیر کا ترجمہ کہاں سے کردیا۔ کوثر کا ایک معنی نہر ہے، امام بخاری نے صحیح البخاری کے اندر کوثر کی تشریح کی ہے کہ اس سے مراد ''خیر کثیر'' ہے۔ گویا امام بخاری کی تفسیر پر مدار کرتے ہوئے معنی ہوا کہ ''اے محبوب یقیناً یقیناً ساری خیر کثیر ہم نے آپ کو عطا کردی''۔ جب سب خیر کی نہریں حضور ﷺ کو عطا کردی ہیں تو پھر جس نے جو لینا ہے وہ در مصطفیٰ ﷺ کا رخ کرے۔

صحیح البخاری کے ابواب کے درمیان ربط اور علم الفقہ کا اثبات

ہر کتاب کے اندر جب امام بخاری ابواب قائم کرتے ہیں تو ترتیب ابواب میں بھی ایک حکمت ہوتی ہے۔۔۔ اور پھر ایک باب میں درج شدہ احادیث کے درمیان بھی ایک ربط اور حکمت ہوتی ہے۔۔۔ کتاب العلم میں امام بخاری نے ''من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين'' کے عنوان سے باب قائم کیا اور پھر اس کے بعد ''اَلْفَهم فِي الْعِلْم'' کے عنوان سے باب قائم کیا۔ اس سے امام بخاری یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ لوگو! علم کا فہم، فقہ کے بغیر نہیں ملتا۔۔۔ علم کا فہم صرف حدیث کی روایت سے نہیں آتا۔۔۔ بلکہ علم کا فہم تفقہ فی الدین سے آتا ہے۔۔۔ ربط بین الابواب سے امام بخاری کا مشرب واضح ہورہا ہے۔ اس بات پر تعجب ہوگا کہ اگر کوئی اپنے آپ کو امام بخاری کا پیروکار بتلائے اور پھر امام بخاری کی صحیح البخاری کے اندر قائم کردہ ترتیب سے معلوم ہونے والے مشرب سے انحراف کرے۔ پس جو غیر فقیہ ہیں ان کے پاس روایت ضرور ہے مگر فہم و درایت نہیں ہے۔

اس کے بعد امام بخاری ''اَلْاِغْتِبَاطُ فِي الْعِلْمِ وَالْحِكْمَة'' کے عنوان سے باب لائے ہیں اور ترجمۃ الباب میں اپنا مدعا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قَالَ عُمَر تَفَقَّهُوْا قَبْلَ اَنْ تُسَوَّدُوْا. ''حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حاکم بننے سے پہلے دین کا علم حاصل کرو''۔

اس کے بعد امام بخاری فرماتے ہیں وَقَدْ تَعَلَّمَ اَصْحَابَ النَّبِي ﷺ بَعْدَ كِبَرِ مِنْهُمْ ''اصحاب نبی ﷺ نے بڑھاپے میں بھی علم دین حاصل کیا''۔

پس امام بخاری نے اپنے قائم کردہ ابواب میں پہلے تفقہ فی الدین کو اللہ کی خیرات کہا۔۔۔ خیرات کا وسیلہ بارگاہ مصطفیٰ ﷺ کو کہا۔۔۔ اور پھر اس کے بعد کہا کہ دین کا فہم روایت حدیث سے نہیں بلکہ فہم و تفقہ سے آتا ہے۔۔۔ اور پھر کہا کہ علم وحکمت یعنی فقہ حاصل کرو۔۔۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ امام بخاری خود محدث ہیں مگر ترغیب فقہ کی دے رہے ہیں اس لئے کہ وہ بھی جانتے ہیں کہ محدث کا کام حدیث کو روایت کردینا ہے۔۔۔ اور امام الفقہ کا کام حدیث کی درایت، معنی، معرفت، علم اور مراد کو لوگوں تک پہنچانا ہے۔۔۔ لہٰذا امام بخاری کی قائم کردہ ترتیب الابواب سے فقہ، مذاہب فقہ اور آئمہ فقہ کی دین اور شریعت کے اندر قدرومنزلت اور مقام واہمیت واضح ہورہی ہے۔

☆ باب۱۷ : مَاذُكِرَ فِي ذِهَابِ مُوسٰى فِي الْبَحْرِ اِلَى الْخَضِرِ وَقَوْلِهٖ تَعَالٰى هَلْ اَتَّبِعُکَ عَلٰی اَنْ تُعَلِّمُنِیْ مَاعُلِّمْتَ رُشْدًا.

(حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر علیہ السلام کی تلاش میں دریا کے کنارے جانا اور اللہ تعالیٰ کا (حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ قول نقل کرنا) هَلْ اَتَّبِعُکَ عَلٰی اَنْ تُعَلِّمُنِیْ مَاعُلِّمْتَ رُشْدًا.

حدیث ۷۴: اس باب کے تحت آنے والی حدیث مبارکہ میں امام بخاری نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا خضر علیہ السلام کی ملاقات کا ذکر کیا جو کہ قرآن پاک کے اندر بھی مذکور ہے۔ امام بخاری نے صحیح البخاری میں کئی مقامات پر اس واقعہ کو ذکر کیا۔ آیئے اس حدیث میں موجود نکات پر گفتگو کرتے ہیں:

حضرت خضر علیہ السلام نبی یا ولی؟

سیدنا خضر علیہ السلام کے حوالے سے دو قول ہیں۔

۱۔ بعض احباب نے سیدنا خضر علیہ السلام کو نبی کہا۔ ۲۔ جمہور کا قول یہ ہے کہ آپ ولی ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام، اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں جبکہ حضرت خضر علیہ السلام اللہ کے ولی ہیں اس لئے کہ ان پر کوئی شریعت، کوئی کتاب نہیں اتری اور نہ ہی وہ کسی ایک امت کی طرف مبعوث ہوئے۔۔۔ نبی کا کام دریاؤں، سمندروں، تالابوں میں چھپ کر عبادت کرنا نہیں ہوتا، نبی احکام شریعت کے ظاہر سے بحث کرتا ہے۔۔۔ جبکہ ولی معارف اور اسرار مکنون سے بحث کرتے ہیں۔

اولیاء کی زیارت۔۔ سنتِ انبیاء وصحابہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کے لئے روانہ ہوئے۔ اس سے عقیدہ کے باب میں یہ بات ثابت ہوئی کہ بڑا کبھی چھوٹے کی زیارت کے لئے بھی جاسکتا ہے اور یہ سنت انبیاء ہے۔

جس طرح صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ سیدنا عمر وسیدنا علی رضی اللہ عنہما، حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی زیارت کے لئے گئے۔۔۔ کیوں گئے؟۔۔۔ اس لئے گئے تاکہ پتہ چلے کہ وہ صحابہ ہونے کے باوجود ولی کی زیارت کے لئے گئے کیونکہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ صحابی نہیں بلکہ ولی ہیں۔ اگر ولی، صحابہ کی زیارت کرنے جائے تو شریعت میں اس کا عمل سنت نہیں بنتا۔۔۔ ولی کے عمل کی پیروی کرنے میں برکت ہے مگر شرعاً سنت نہیں ہے۔۔۔ سنت تب بنتا ہے جب صحابی عمل کرے، اس لئے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَهْدِیِّیْنَ.

''تم پر میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنا واجب ہے''۔

عام صحابی عمل کرے تو وہ سنت ہے اور اگر خلفاء راشدین میں سے کوئی عمل کرے تو وہ اعلیٰ درجے کی سنت ہے۔۔۔ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ زیارت کرنے کے لئے جاتے تو اس سے زیارت کرنے کے لئے جانا جائز ثابت ہوتا۔۔۔ باعث برکت ثابت ہوتا، امر مستحسن اور امر مستحب ثابت ہوتا مگر شریعت میں سنت ثابت نہ ہوتا۔۔۔ کیونکہ سنت یا تو نبی کے عمل سے بنتی ہے یا صحابہ کے عمل سے بنتی ہے۔ حضرت عمر وحضرت علی رضی اللہ عنہما کو بھیجا کہ اویس کی زیارت کرو تاکہ قیامت تک میری امت میں زیارتِ اولیاء کے لئے جانا سنت بن جائے۔

روضۂ رسول ﷺ اور اولیاء کی زیارت کی نیت سے جانا جائز ہے

یہاں اس حدیث مبارکہ لَا تَشُدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَۃِ مَسَاجِدِ اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِ الرَّسُوْلِ ﷺ وَمَسْجِدِ الْاَقْصٰی. (صحیح البخاری، کتاب الجمعه باب فضل الصلوات فی مسجد مكة والمدينه)

''تین مسجدوں کے سواء کسی اور طرف جانے کی نیت کر کے سفر نہ کیا جائے'' سے پیدا ہونے والے ایک مغالطہ کا بھی مختصراً ازالہ کرتا چلوں (تفصیل درس بخاری کے دوران حدیث مبارکہ آنے پر ہی ہوگی) کہ بعض اہل علم کو مغالطہ لگا کہ اس حدیث مبارکہ میں یہ پابندی لگادی گئی ہے کہ صرف ان تین مساجد مسجد حرام، مسجد نبوی اور بیت المقدس ہی کی طرف آپ جاسکتے ہیں۔۔۔ ان کے سواء کسی اور جگہ نیت کر کے سفر کرنا ممنوع ہے اور (معاذ اللہ) حرام ہے۔۔۔ اس پر بڑا شور و غلغلہ ہوا اور ایک ہنگامہ محشر برپا ہوا۔۔۔ یہ مغالطہ درج بالا واقعات (حضرت عمر و حضرت علی رضی اللہ عنہما کا حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی زیارت کے لئے سفر کرنا اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا سیدنا خضرت علیہ السلام سے ملاقات کے لئے جانا) سے رد ہوگیا۔

حضور ﷺ کے فرمان کہ ''ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور طرف سفر نہ کیا جائے'' کا معنی جو سمجھ لیا گیا حقیقتاً وہ نہ تھا کہ باقی جگہوں کی زیارت کی نیت سے سفر ممنوع و حرام ہے۔۔۔ بلکہ اصل معنی حدیث مبارکہ کا یہ تھا کہ زیادتی و کثرتِ ثواب کی نیت سے کسی اور مسجد کی نیت کر کے سفر نہ کرو۔۔۔ وہ زیادہ ثواب صرف ان تین مساجد میں ملتا ہے۔ پس حدیث مبارکہ کے معنی کی غلط تفہیم کی بناء پر بعض لوگوں نے قبر نبی ﷺ کی زیارت کی نیت سے جانا بھی ناجائز سمجھا۔۔۔ اولیاء کی زیارت کی نیت سے جانا بھی بعض لوگوں نے معاذاللہ ناجائز سمجھا۔۔۔ اب یہ تصور رد ہورہا ہے۔ اولاً حکم قرآن سے کہ قرآن کی رو سے اللہ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ موسیٰ ''میرے بندہ خضر کی زیارت کے لئے جاؤ''۔۔۔ پس خضر علیہ السلام نہ مسجد حرام ہیں اور نہ ہی مسجد نبوی و بیت المقدس۔۔۔ بلکہ وہ ولی ہیں۔۔۔ اور اگر کوئی ان کو نبی بھی سمجھے تو پھر بھی رسول (سیدنا موسیٰ علیہ السلام)، نبی (سیدنا خضر علیہ السلام) کی طرف جارہا ہے۔۔۔ اعلیٰ، ادنیٰ کی طرف جارہا ہے۔۔۔ اور بغرض زیارت جارہا ہے۔ گویا اللہ والوں کی زیارت کی نیت سے جانا حکم قرآن اور سنت موسوی ہے۔

اسی طرح حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ بھی بیت الحرام، مسجد نبوی اور بیت المقدس نہیں بلکہ ولی ہیں۔۔۔ اور سیدنا عمر فاروق و سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنھما کا ان کی زیارت کے لئے جانا سنت صحابہ ہے۔۔۔

توسل۔۔۔ سنتِ انبیاء

اسی طرح قرآن پاک میں مذکور حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کا واقعہ بھی قابل غور ہے کہ سیدہ مریم علیہا السلام، سیدنا زکریا علیہ السلام کے زیر تربیت اور زیر کفالت تھیں۔ سیدنا زکریا علیہ السلام کا اولوالعزم نبی ہونا اور سیدہ مریم علیہا السلام کا ولیہ کاملہ ہونا مصدقہ ہے۔ سیدنا زکریا علیہ السلام، اللہ سے اولاد کے طالب تھے مگر جب انہوں نے سیدنا مریم علیہا السلام کے پاس بند کمرے میں بغیر موسم کے رزق اور پھلوں کو پایا تو پوچھا:

قَالَ يَا مَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِاللّٰهِ (آل عمران، ۳:۳۷)

''اے مریم! یہ چیزیں تمہارے لئے کہاں سے آتی ہیں؟ اس نے کہا: یہ (رزق) اللہ کے پاس سے آتا ہے''۔

سیدنا زکریا علیہ السلام نے جب ایک ولیہ کاملہ کی کرامت دیکھی تو قرآن نے فرمایا۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ. (آل عمران، ۳:۳۸) ''اسی جگہ زکریا (علیہ السلام) نے اپنے رب سے دعا کی''۔

اس ولیہ کاملہ کے محراب میں کھڑے ہوکر اللہ کے نبی نے دعا کی اور قرآن کی رو سے ھنالک کے الفاظ سے

توسل مکانی ثابت ہوتا ہے یعنی کسی مقام پر کھڑے ہوکر اس مقام سے توسل کرنا۔۔۔ ولی کے آستانے، اس کی جائے عبادت، اس کی جائے سکونت سے توسل کرنا۔۔۔ دعا کی کہ مولا جس طرح تو نے ان کو بے موسم پھل عطا کئے مجھے بھی اولاد عطا کر۔ ابھی وہ وہیں کھڑے دعا کر رہے تھے قرآن فرماتا ہے:

فَنَادَتْهُ الْمَلآئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ. (آل عمران، ۳:۳۹)

''ابھی وہ حجرے میں کھڑے نماز ہی پڑھ رہے تھے (یا دعا ہی کر رہے تھے) کہ فرشتوں نے آواز دی''۔ کہ زکریا دعا قبول ہوگئی۔ اگر سیدہ مریم، سیدنا زکریا علیہ السلام کے آستانے پر دعا کرتیں، توسل کرتیں۔۔۔ تو اس سے توسل کا جائز ہونا ثابت ہوتا، توسل کا سنت ہونا نہ بنتا۔۔۔ چونکہ ولی کے عمل سے جواز اور خیرو برکت ثابت ہوتی ہے مگر شریعت میں سنت ثابت نہیں ہوتی۔۔۔ لیکن یہاں سیدنا زکریا علیہ السلام نے سیدہ مریم علیہا السلام کی جائے سکونت پر توسل کیا ہے۔۔۔ پس توسل نہ صرف جائز رہا بلکہ سنت انبیاء بن گیا۔

پس اسی طرح کی سنت کا تذکرہ امام بخاری نے اس حدیث نمبر ۷۴ میں کیا کہ موسیٰ علیہ السلام، حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت کے لئے گئے۔

موت کا حیات میں بدلنا۔۔۔ علاماتِ ولایت

سفر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم یوشع بن نون سے پوچھا کہ جو مچھلی کھانے کے لئے لائے تھے وہ کہاں ہے؟ یوشع بن نون نے کہا کہ وہ مچھلی تو فلاں تالاب کے قریب زندہ ہوکر بھاگ گئی تھی، حضرت موسیٰ کا جواب قرآن پاک میں مذکور ہے کہ آپ نے فرمایا: قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّا عَلٰى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا. (الكهف، ۱۸:۶۴)

''موسیٰ علیہ السلام نے کہا: یہی وہ (مقام) ہے ہم جسے تلاش کر رہے تھے پس دونوں اپنے قدموں کے نشانات پر (وہی راستہ) تلاش کرتے ہوئے (اسی مقام پر) واپس پلٹ آئے''۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اسی جگہ کی تلاش میں پلٹے جہاں مردہ مچھلی زندہ ہوئی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تلاش تو ولی کی تھی مگر علامت معلوم نہ تھی کہ ولی کہاں ملے گا؟۔۔۔ اللہ نے علامت عطا کر دی کہ جہاں مردہ مچھلی زندہ ہوگئی تھی وہاں اللہ کا ولی رہتا ہے۔۔۔ اس سے ثابت ہوا کہ ولایت کی علامت یہ ہے کہ جہاں موت، زندگی میں بدل جائے۔۔۔ جہاں مردہ دل زندگی پاجائیں تو وہاں ولی ہوتا ہے۔۔۔ مردہ دل زندہ ہوں تو ولایت ثابت ہوتی ہے۔۔۔ پس جہاں مردہ مچھلی زندہ ہوئی تھی موسیٰ علیہ السلام نے اسی جگہ پر حضرت خضر علیہ السلام کو پالیا۔

☆ باب ۱۹: مَتٰى يَصِحُّ سَمَاعُ الصَّغِيْرِ (بچے کا سماع کب معتبر ہے؟)

یعنی بچہ کس عمر تک اگر سماع کرے تو روایت کرسکتا ہے، امام بخاری کا یہ باب قائم کرنا ہی بچے کے سماع اور اس کی روایت کی قبولیت کے جواز کی طرف اشارہ ہے۔

حدیث ۷۷: عن محمود ابن ربيع قَالَ عَقَلْتُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ مَجَّةً مَجَّهَا فِي وَجْهِي وَاَنَا ابْنُ خَمْسِ سِنِيْنَ مِنْ دَلْوٍ.

''محمود ابن ربیع سے روایت ہے کہ مجھے اس امر کا شعور ہے کہ حضور ﷺ نے ایک ڈول سے پانی لے کر مجھ پر کلی فرمائی اس وقت میری عمر پانچ سال تھی''۔

اس حدیث مبارکہ کے حوالے سے امام حجر عسقلانی، امام قسطلانی، امام نووی، امام کرمانی اور دیگر محدثین نے لکھا کہ کوئی اور کرے تو اس کا پانی، ماء مستعمل (استعمال شدہ) ہوگا مگر حضور ﷺ کا ایسا کرنا برکت اور فیض کا جاری فرمانا

تھا۔ گویا امام بخاری کا اس حدیث مبارکہ کو ذکر کرنے کا مقصود حصول برکت کے مسئلہ کو سمجھانا ہے۔

دوسری چیز جو امام بخاری سمجھانا چاہ رہے ہیں وہ یہ ہے کہ یہ واقعہ پانچ سال کی عمر میں حضرت محمود بن ربیع کو پیش آیا۔ امام بخاری یہ ثابت کرنا چاہ رہے ہیں کہ پانچ سال کی عمر کے واقعہ کی روایت کو قبول کرنا جائز ہے۔ قاضی عیاض اور امام ابن حجر عسقلانی کا قول یہ ہے کہ اگر 4 سال کے بچے نے بھی سماع کیا ہو تو اس سے روایت جائز ہے۔

یہاں تحدیث نعمت کے طور پر عرض کروں کہ میں نے 13 سال کی عمر میں محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے 3 سال تک کسب فیض کیا۔۔۔ اسی طرح الامام الشیخ علوی بن عباس مکی المالکی جو کہ الشیخ محمد بن علوی المالکی کے والد ہیں، ان سے 1963ء میں کئی مہینوں تک مسجد حرام میں باب السلام کے سامنے، اپنے والد گرامی کے ساتھ جو کہ ان کے تلامذہ میں تھے حصول علم کرتا رہا، ان کی اسناد بعد ازاں میں نے ان کے بیٹے الشیخ محمد بن علوی المالکی سے حاصل کیں۔۔۔ اسی طرح بعد ازاں بچپن میں الشیخ حضرت ضیاء الدین المدنیؒ تلمیذ رشید اعلیٰ حضرت سے سماع کیا۔

قبل اس کے کہ اگلی احادیث پر گفتگو کا آغاز کروں، میں اس موقع پر المنہاج السوی کو مرتب کرنے کی ضرورت اور اس کی اہمیت کے حوالے سے بات کروں گا۔

المنہاج السوی کو مرتب کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

میں نے المنہاج السوی کے نام سے حدیث کی کتاب مرتب کیوں کی؟ حالانکہ حدیث تو کائنات میں کوئی شخص اپنے پاس سے نہیں بنا سکتا اور جو نئی حدیث گھڑے گا وہ کافر ہو جائے گا اسلئے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ. (صحیح البخاری، ج۱، ص۴۳۴، حدیث ۱۲۲۹)

مشکوٰۃ شریف کے مرتب ہونے سے پہلے امام نووی کی ریاض الصالحین اور امام منذری کی الترغیب الترہیب تھی۔ الغرض امہات الکتب کے بعد احادیث کی جتنی بھی کتب مرتب و مدون ہوئیں ان سب مجموعوں کا وقت تدوین آج سے 700 سال قبل کا ہے۔ گذشتہ 700 سال سے احادیث کی جمع و تدوین کا کام نہیں ہوا۔ ان تمام کتب میں حدیث کا عنوان اور تراجم الابواب مختلف ہیں اور ترجمۃ الباب و حدیث الباب میں مطابقت نہیں ہے۔ اس وجہ سے اہل علم کو اپنا مذہب، عقیدہ، مسلک کے ثبوت اور بعض احکام و مسائل کے حل کے لئے حدیث تک رسائی پانے میں مشکل پیش آئی۔ سوائے اس کے کہ وہ ساری احادیث لفظ بلفظ خود پڑھیں اور تب جا کر اپنے مسائل کے حل اور عقیدہ و مسلک کے ثبوت میں احادیث تک رسائی حاصل کریں اگر کتاب اور فقط ترجمۃ الباب پر جائیں تو مسائل حل نہیں ہوتے۔

6/7 صدیاں گزرنے کے بعد علمی ضروریات بدل گئیں۔۔۔ اس وقت عقائد کے باب میں فتنے نہیں تھے۔۔۔ تمام عقائد کی جہت خواہ حنفی، شافعی، مالکی یا حنبلی تھے ایک ہی تھی۔۔۔ عقائد میں کوئی تضاد نہ تھا۔۔۔ اختلاف صرف مذہب فقہی میں تھا یا عقائد کی تشریحات اور فروعی تفصیلات میں فرق تھا۔۔۔ مگر مبادیات، بنیادی عقائد خاص طور پر شان رسالت مآب ﷺ سے متعلق عقائد میں کوئی اختلاف نہ تھا۔۔۔ 6/7 صدیاں گزرنے کے بعد بڑے بڑے فتنوں نے سر اٹھایا۔۔۔ بڑے بڑے مسائل وضع ہوئے۔۔۔ امت میں تفرقے پیدا ہوئے۔۔۔ فرقے، مسالک، مکاتب وفکر میں موجود آئے۔۔۔ نئی نئی تعبیرات نے سر اٹھایا اور دین و عقیدہ کے باب میں بڑے فتن اور زلازل پیدا ہوئے۔

کتب حدیث وہی تھیں۔۔۔ ان کے تراجم الابواب وہی تھے۔۔۔ ایک عام عالم، واعظ، خطیب، استاد، طالب علم تراجم الابواب کی فہرست دیکھ کر احادیث تک رسائی نہیں پاسکتا تھا۔۔۔ اور لاکھوں کی تعداد میں لفظ بلفظ تمام احادیث کو پڑھنا کسی کے بس کی بات بھی نہیں ہے۔۔۔ پس اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ جس طرح آئمہ نے

احادیث کے مطالب و معانی کے مطابق اپنے اجتہاد سے تراجم الابواب متعین کیے تھے اور ان تراجم الابواب کے مطابق احادیث ملتی تھیں۔۔۔ اب دوبارہ نئے سرے سے تراجم الابواب مقرر کیے جائیں۔۔۔ لہذا منہاج السوی میں اصل محدثانہ کام یہ ہے کہ ان احادیث نبوی پر مدار کو قائم کرتے ہوئے نئے سرے سے تراجم الابواب، علمی ضروریات کے مطابق مقرر کیے ہیں۔۔۔ خطیب تبریزی نے مشکوٰۃ المصابیح کو مرتب کرتے ہوئے 14 کتب احادیث پر انحصار کیا مگر اصل متن امام بغوی کی مصابیح السنہ کو بنایا، یہ اصل کتاب کے لیے ٹیکسٹ ہوئی اور 14 کتب معاون ہوئیں۔۔۔ امام بغوی نے مصابیح السنہ سے پہلے شرح السنہ لکھی لیکن چونکہ وہ زیادہ ضخیم ہوگئی لہذا اسے مختصر کرکے مصابیح السنہ بنائی اور مصابیح پر مدار رکھتے ہوئے خطیب تبریزی نے مشکوٰۃ المصابیح مرتب کی۔۔۔ مگر تراجم الابواب وہی رہے، ان کو نہ بدلا۔۔۔ میں نے منہاج السوی میں کل تراجم الابواب اجتہادی طور پر، محدثانہ طرز پر نئے قائم کیے۔۔۔ تاکہ جس موضوع پر جو حدیث دیکھنا چاہیں اسی موضوع پر ترجمۃ الباب مل جائے۔ منہاج السوی میں ایک کام تو جمع و ترتیب احادیث کا کام ہے اور وہ محدثانہ کام جو 7 صدیوں کے بعد نیا ہے وہ تراجم الابواب کا نئے سرے سے مقرر کرنا ہے۔ نیز تمام احادیث کی تخریج بھی احادیث کے ساتھ درج کی گئی ہے۔

مندرجہ ذیل احادیث مبارکہ سے ترجمۃ الباب اور حدیث الباب میں مطابقت نہ ہونے کی وضاحت اور المنہاج السوی کی ضرورت و اہمیت کو سمجھنے میں مزید آسانی ہوگی۔

☆ باب۲۵: مَنْ اَجَابَ الْفُتْیَا بِاَشَارَۃِ الْیَدِ وَالرَّاسِ. (ہاتھ یا سر کے اشارے سے جواب دینا)

حدیث ۸۶ : حضرت اسماء کہتی ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی، وہ نماز پڑھ رہی تھیں، میں نے کہا کہ لوگوں کا کیا حال ہے (یعنی لوگ گھبرائے ہوئے کھڑے ہیں) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آسمان کی طرف اشارہ کیا (یعنی اشارے سے بتایا کہ سورج گرہن ہوا ہے) پس لوگ کھڑے ہوئے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا سبحان اللہ! میں نے کہا کوئی نشانی ہے؟ (یعنی کوئی قیامت یا عذاب کی نشانی ہے؟) حضرت عائشہ نے سر سے اشارہ کیا ہاں! تو میں بھی نماز کے لیے کھڑی ہوئی یہاں تک کہ مجھ کو غش آنے لگا۔ میں اپنے سر پر پانی ڈالنے لگی۔ پھر نماز کے بعد حضور اکرم ﷺ کی حمد وثنا کی اور پھر فرمایا ہر وہ شے جو مجھے نہیں دکھلائی گئی تھی میں نے اس کو اپنے اس مقام سے دیکھ لیا۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا:

فَاُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّکُمْ تُفْتَنُوْنَ فِیْ قُبُوْرِکُمْ مِثْلَ اَوْ قَرِیْبَ لَا اَدْرِیْ اَیَّ ذٰلِکَ قَالَتْ اَسْمَآءُ مِنْ فِتْنَۃِ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ یُقَالُ مَا عِلْمُکَ بِھٰذَا الرَّجُلِ فَاَمَّا الْمُؤْمِنُ اَوِالْمُوْقِنُ فَیَقُوْلُ ھُوَ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ جَآءَ نَا بِالْبَیِّنٰتِ وَالْھُدٰی فَاَجَبْنَاہُ وَاتَّبَعْنَاہُ مُحَمَّدٌ ثَلَاثًا.

"مجھ پر وحی آئی ہے کہ تم قبروں میں آزمائے جاؤ گے مثل فتنہ مسیح ودجال کے۔۔۔۔ نہیں معلوم اسماء نے مثل کا لفظ کہا یا قریب کا۔ قبر میں میت سے پوچھا جائیگا کہ اس شخصیت کی نسبت تیرا کیا اعتقاد ہے تو مومن یا موقن (نہیں جانتے کہ حضرت اسماء نے مومن کا لفظ کہا یا موقن کا) جواب دے گا وہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ ہمارے پاس معجزات اور ہدایت لے کر آئے، ہم قبول کیا اور ان کی اتباع کی۔ وہ محمد ہیں، تین بار ایسا ہی کہے گا"۔

اس حدیث کو امام بخاری باب "مَنْ اَجَابَ الْفُتْیَا بِاَشَارَۃِ الْیَدِوَ الرَّاسِ" (سوال کرنے والے کو ہاتھ اور سر کے اشارے سے جواب دینا) کے عنوان کے تحت لائے ہیں۔ اگر حدیث کو تراجم الابواب کے ذریعے تلاش کیا جائے تو کبھی اس حدیث تک رسائی حاصل نہیں ہوسکتی۔ اس لئے کہ ترجمۃ الباب اور حدیث الباب میں معمولی سی مطابقت ہے مگر اس سے بھی زیادہ مطابقت جس مضمون سے پائی جارہی تھی اس کے تحت باب قائم نہ کیا۔ امام بخاری نے اس حدیث کو اس باب

کے تحت اس لئے درج کیا کہ اس حدیث کے اندر حضرت عائشہ نے جواب سر اور ہاتھ کے اشارہ سے عطا فرمایا تھا۔۔۔

اس لئے اس مناسبت سے اس حدیث کو امام بخاری نے ''سر اور ہاتھ کے اشارہ سے جواب دینا'' کے باب کے تحت درج کیا کہ سر اور ہاتھ کے اشارہ سے جواب دینا بھی سنت ہے، ضروری نہیں کہ زبان سے بول کر جواب دیا جائے۔ پس امام بخاری حدیث میں کوئی ایک بات جو مناسبت پیدا کر رہی ہو اس کو دیکھتے ہوئے ترجمۃ الباب قائم کر دیتے ہیں۔ صحیح البخاری میں 7 مقامات پر یہ حدیث آئی ہے۔ اس حدیث کے لئے میں نے المنہاج السوی میں جو باب قائم کیا، کل کتب حدیث جہاں تک میری رسائی ہوسکی، میں سے کسی میں بھی اس عنوان کے تحت اس حدیث کو درج نہیں پایا اور وہ باب یہ ہے۔

فِي اَنَّ الْاُمَّةَ تُسْئَلُ عَنْ مَكَانَةِ النبی ﷺ فِي الْقُبُوْر.

''قبور میں امت سے مقام مصطفیٰ ﷺ کی نسبت سوال کیا جائے گا''۔

اب جس بھی شخص نے اس حدیث تک رسائی حاصل کرنی ہو، وہ المنہاج السوی کے اس باب کے عنوان کے تحت فوراً اس حدیث کو پاسکتا ہے مگر اس حدیث کو اگر وہ صحیح البخاری میں تراجم الابواب کے ذریعے تلاش کرنا چاہے گا تو کبھی بھی نہ پہنچ سکے گا۔ یہ اصل میں مجتہدانہ طرز پر منہاج السوی میں کیا گیا کام ہے جس سے اس کی ضرورت و اہمیت واضح ہوجاتی ہے۔

مقامِ مصطفیٰ ﷺ کی معرفت اور عقیدۃ البخاری

آیئے اس حدیث میں موجود اعتقادی نکات پر گفتگو کرتے ہیں:

امام بخاری کے معتقدین، اتباع، حدیث میں امام بخاری ہی کی پیروی کرنے والے حتی کہ فقہ اور عقیدہ میں بھی امام بخاری کی پیروی کا دعوی کرنے والے بڑی توجہ سے میری گزارش کو سنیں۔ ہم تمام نے قبر میں ہونے والے سوالوں کے متعلق سن رکھا ہے کہ وہ 3 سوال ہوں گے مگر پوری بخاری شریف حدیث بدء الوحی، انما الاعمال بالنیات سے لے کر آخری حدیث صحیح البخاری کلمتان خفیفتان تک امام بخاری نے کوئی ایک بھی حدیث ایسی روایت نہیں کی جس میں ان تینوں سوالوں کا بالترتیب ذکر ہو۔ تین سوالوں کی کوئی حدیث امام بخاری نے روایت ہی نہیں کی۔

مَنْ رَبُّکَ... مَادِيْنُکَ... مَاكُنْتَ تَقُوْلُ فِي حَقِّ هٰذَا الرَّجُلِ محمد... ترتیب کے ساتھ یہ تین سوال امام بخاری نے کہیں بھی ذکر نہیں کئے۔۔۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر امام بخاری نے کیا روایت کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے قبر میں پوچھے جانے والے سوالات پر مبنی مذکورہ بالا حدیث کو تقریباً 12 مقامات پر ذکر کیا اور ان میں صرف ایک ہی سوال کا ذکر کیا اور وہ سوال مقام مصطفیٰ ﷺ کے بارے میں پوچھے جانے والا سوال ہے۔۔۔ صرف اسی ایک سوال ہی کو روایت کرنے سے امام بخاری کا اصل عقیدہ واضح ہو رہا ہے۔۔۔ مبارک ہو اہل السنہ والجماعۃ کو کہ ہم امام بخاری کے عقیدہ پر ہیں۔۔۔ فقہ جدا ہے، فقہ اور عقیدہ کا تضاد نہیں ہوتا۔۔۔ ہماری فقہ، امام اعظم ابوحنیفہ کی تقلید میں ہے۔

تمام پہچانیں معرفتِ مصطفیٰ ﷺ میں گم ہیں

حدیث مبارکہ کے الفاظ ہیں: يُقَالُ مَاعِلْمُکَ بِهٰذَا الرَّجُل. (اے میت بتا! اس شخص کے بارے میں تیرا علم، معرفت اور عقیدہ کیا تھا)۔۔۔ نہ رب کا پوچھا۔۔۔ اور نہ ہی دین کا پوچھا۔۔۔ صرف ایک ہی سوال مقام و معرفت مصطفیٰ ﷺ کو امام بخاری نے روایت کیا۔۔۔ محدثین بشمول علامہ انور شاہ صاحب کشمیری اور اکابر علمائے دیوبند نے باقاعدہ طور پر اس کا جواب اور سبب بیان کیا ہے کہ بقیہ سوالوں کا ذکر امام بخاری نے صحیح البخاری میں کیوں نہیں کیا؟ اس سوال کا جواب دینے

والوں نے جواب دیا کہ امام بخاری نے صرف ایک سوال اس لئے بیان کیا کہ جس کو حضور ﷺ کی معرفت ہوگئی، خدا اور دین کے سوال کے جواب خود اس سوال کے جواب کے اندر آ گئے۔

حضور ﷺ کے مقام بارے پوچھا جانے والا سوال، خود اتنا بڑا سوال ہے کہ۔۔۔ مَنْ رَّبُّکَ بھی اس میں آ گیا اور مَادِیْنُکَ بھی اس میں آ گیا۔۔۔ اور مراد یہ ہے کہ اگر حضور ﷺ کو پہچان لیا تو خدا کو پہچان لیا۔۔۔ اور اگر حضور ﷺ کو پہچان لیا تو دین اسلام کو پہچان لیا۔۔۔ اور بالعکس جواب یہ ہے کہ اگر حضور ﷺ کو پہچان نہ سکے تو خدا کو پہچان کر کیا کرنا۔ امام بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اے لوگو! اگر مصطفیٰ ﷺ کی معرفت نہ ہوئی تو مَنْ رَّبُّکَ اور مَادِیْنُکَ کا جواب دیتے پھرو۔۔ خدا کی اور دین کی کیا پہچان۔۔ ساری پہچانیں تو معرفت مصطفیٰ ﷺ میں گم ہیں۔

حدیث مبارکہ کے اگلے الفاظ ہیں فَـاَمَّـا الْـمُـؤْمِـنُ اَوِالْمُوْقِنُ (اگر مومن ہوگا یا صاحب ایقان ہوگا)۔۔۔ فَیَـقُوْلُ هُوَ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰه (پس وہ کہے گا ہاں یہ تو محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں)۔۔۔ جَـآءَ نَـا بِالْبَیِّنٰتِ وَالْهُدٰی فَاَجَبْنَاهُ وَاتَّبَعْنَاهُ مُحَمَّدٌ ثَلَاثًا. (یہ ہمارے پاس واضح نشانیاں اور ہدایت لے کر تشریف لائے ہم نے ان کی دعوت کو قبول کیا اور ان کی اتباع کی، یہ محمد ﷺ ہیں، یہ محمد ﷺ ہیں یہ محمد ﷺ ہیں)

3 مرتبہ هُوَ مُحَمَّدٌ، هُوَ مُحَمَّدٌ، هُوَ مُحَمَّدٌ کہنا۔۔۔ میرا وجدان یہ کہتا ہے کہ جواب ایک مرتبہ بھی کہہ دینا کافی تھا۔۔۔ مومن تکرار میں جو کہے گا لگتا ہے کہ وہ وجد میں آ جائے گا۔۔۔ وہ فرشتہ کو بتانا چاہتا ہے کہ اس ذات کا پوچھتے ہو۔۔۔ خدا کی قسم! مر کے پہنچا ہوں یہاں تک مصطفیٰ ﷺ کے واسطے۔۔۔ ان کی خاطر تو مر کر آیا ہوں۔۔۔ سن رکھا تھا کہ قبر میں دیدار ہوتا ہے۔ بخاری شریف میں 12 سے زائد مقامات پر مذکور اس حدیث کے انہی الفاظ هُوَ مُحَمَّدٌ کی تکرار کی وجہ سے اسے امام بخاری نے سب سے پہلے ذکر کیا۔ جب میت حضور ﷺ کو پہچان لے گی تو حضور ﷺ نے فرمایا:

فَیُـقَـالُ نَـمْ صَـالِحًا (اسے کہا جائے گا کہ آرام سے سوجا)۔ اس حدیث کے دوسرے مقام پر جو الفاظ آئے ہیں وہ یہ ہیں کہ اس میت کو کہا جائے گا۔۔۔ نَمْ کَنَوْمَةِ الْعُرُوْس "پہلی رات کی دلہن کی طرح سوجا"۔

(ترمذی، کتاب الجنائز، باب ماجآء فی عذاب القبر)

ایک مغالطہ کا ازالہ

بعض اہل علم یہاں ایک اشکال وارد کرتے ہیں کہ حدیث میں آ گیا کہ جب وہ پہچان لے گا تو اسے کہہ دیا جائے گا کہ اب سو جا، پس اہل اللہ، اولیاء، صلحاء قبر میں سوال جواب سے فارغ ہوکر سوگئے، آپ کن کو پکارنے جاتے ہیں؟۔۔۔ اب سوئے ہوئے کو کیا خبر کہ میری قبر پر کون آیا ہے؟۔۔۔ آپ جا کر توسل کرتے ہیں، عقیدہ رکھتے ہیں کہ صاحب قبر زائرین کو پہچانتے ہیں۔۔۔ سلام سنتے اور جواب دیتے ہیں۔۔۔ آپ توسل کریں گے تو وہ اللہ کی بارگاہ میں شفاعت کریں گے۔۔۔ وہ تو اب سوچکے ہیں لہذا آپ کا یہ سارا عمل کرنا اور یہ عقیدہ رکھنا درست نہیں۔۔۔ اس اعتراض کا جواب ذہن نشین کرلیں کہ اعتراض کرنے والے نے صرف نَـــم (سوجا) کا لفظ پڑھا، اگلی تشبیہ نہیں پڑھی کہ سوال کا جواب دینے پر فرشتے اسے کہیں گے کہ حضور ﷺ کو پہچاننے والے نَـمْ کَـنَـوْمَةِ الْعُرُوْس (پہلی رات کی دلہن کی مانند سوجا)۔۔۔ اعتراض کرنے والے ذرا غور کریں کہ کبھی پہلی رات کی دلہن کو بھی سوئے ہوئے دیکھا؟۔۔۔ اس کی آنکھیں تو محبوب کے انتظار اور اس کے دیدار میں جاگتی رہتی ہیں۔۔۔ چونکہ وفات کی پہلی شام معرفت مصطفیٰ ﷺ کے متعلق سوال و جواب ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو نَوْمَةِ الْعُرُوْس کا ٹائٹل دیا۔

اس طرح عروس کے لفظ سے ''عرس'' کا لفظ نکلا۔۔۔ عرس کا مطلب شادی کے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ عوام کی موت ہوتی ہے مگر اولیاء کی شادی ہوتی ہے۔۔۔ پس عرس کا لفظ اسی حدیث مبارکہ نَمْ کَنَوْمَةِ الْعُرُوْس سے نکلا ہے۔ پس عشق والوں کی اس سے بڑی شادی کیا ہوگی کہ انہیں دیدار مصطفیٰ ﷺ نصیب ہوتا ہے۔

یہ حدیث مبارکہ صحیح البخاری میں درج ذیل مقامات پر موجود ہے:

حدیث نمبر ۸۶، ۱۸۴، ۹۲۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۶۱، ۱۲۳۵، ۱۳۷۳، ۲۵۱۹، ۲۵۲۰، ۷۲۸۷ علاوہ ازیں اس حدیث کو یعنی صرف ایک ہی سوال (معرفت مقام مصطفیٰ ﷺ) کے ساتھ امام مسلم نے کتاب الجنۃ وصفت نعیمیہ، کتاب الکسوف۔۔۔ امام مالک نے الموطا، امام ابوداؤد نے کتاب السنہ۔۔۔ امام نسائی نے کتاب الجنائز۔۔۔ امام احمد بن حنبل نے مسند میں روایت کیا۔۔۔ امام بخاری نے اس حدیث کو کتاب الوضو، کتاب الجمعہ، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ میں روایت کیا۔ اس حدیث کے راویوں میں حضرت انس بن مالک، حضرت اسماء بنت ابی بکر، حضرت ابوہریرہ اور حضرت عائشہ شامل ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں سوال کے الفاظ اس طرح آئے ہیں۔ مَاکُنْتَ تَقُوْلُ فِی هٰذَا الرجل (بتاؤ اس ہستی کے بارے میں کیا کہا کرتے تھے) یعنی سامنے چہرہ مصطفیٰ ﷺ موجود ہوگا اور ان کی طرف اشارہ کرکے سوال کیا جائے گا۔

قبر میں حضور ﷺ کا دیدار کیسے ہوگا؟

قبر میں حضور ﷺ کا دیدار کیسے ہوگا؟ اس پر امام ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری، علامہ عینی نے عمدۃ القاری، امام کرمانی، علامہ قسطلانی نے المواہب اللدنیہ، امام نووی، قاضی عیاض اور کل شارحین بخاری ومسلم نے اس کی مختلف شکلیں بیان کرتے ہوئے اس پر بحث کی ہے کہ دیدار کیسے ہوگا؟

یہاں پر اس بات کو بھی درست کرلیں کہ ہمارے بعض واعظین اپنے جوش خطابت اور لچھے دار تقاریر میں یہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ ہر ایک کی قبر میں بنفسِ نفیس تشریف لائیں گے۔۔۔ یہ عقیدہ کسی امام ومحدث نے نہیں بیان کیا۔ یہ عقیدہ درست نہیں۔۔۔ اس لئے کہ یہ شان رسالت مآب ﷺ کے منافی ہے اور گستاخی ہے۔ حضور ﷺ کا مقام یہ ہے کہ حضور ﷺ اپنے جسد حقیقی کے ساتھ اپنی قبر اطہر، روضہ اقدس میں ہی آرام فرما ہیں۔۔۔ ہر ایک کی قبر میں جائیں یہ حضور ﷺ کی شان نہیں ہے۔۔۔ بعض آئمہ کے نزدیک یہ ہے کہ ہر قبر میں شبیہہ مصطفیٰ ﷺ ہوگی اور اکثر علماء جن میں علامہ قسطلانی اور علامہ عینی بھی شامل ہیں نے اس بات کو ترجیح دی کہ شبیہہ مصطفیٰ ﷺ نہیں بلکہ قبر اور گنبد خضراء کے درمیان سے پردے اٹھادیئے جائیں گے۔۔۔، فاصلہ کم کردیا جائے گا۔۔۔ ہر میت اپنی قبر میں حضور ﷺ کا دیدار کرے گی اور حضور ﷺ گنبد خضریٰ میں قبر انور میں ہی تشریف فرما ہوں گے۔ پس اس قربتِ مکانی کی وجہ سے یہ سوال کیا جائے گا۔

مَاکُنْتَ تَقُوْلُ فِی حَقِّ هٰذَا الرَّجُل (کہ تو اس ہستی کے بارے میں کیا کہا کرتا تھا)

محدثین نے اس قول کو ترجیح دی ہے پس اس ترجیح پر مدار کرتے ہوئے میں ایک بات یہاں کہنا چاہتا ہوں کہ جب کل آئمہ حدیث نے اس بات کو جائز مانا کہ قبر اور گنبد خضریٰ کے درمیان فاصلہ مٹادیا جائے گا اور ہر میت گنبد خضریٰ کو قریب دیکھ کر حضور ﷺ کو سامنے دیکھے گی۔۔۔ اگر ہر میت ہزاروں، لاکھوں میل کی مسافت سے حضور ﷺ کو سامنے دیکھ سکتی ہے تو حضور ﷺ عرش سے تحت السراء ہر چیز قریب کیوں نہیں دیکھ سکتے۔۔۔ جب ہر میت کے لئے بُعدِ مکانی، قُربِ مکانی میں بدل جاتا ہے اور رفع حجب (پردے اٹھ جانا) ہوجاتا ہے، اگر میت کے پردے اٹھ سکتے ہیں تو مصطفیٰ ﷺ کے پردے کیوں نہیں اٹھ سکتے۔۔۔ حضور ﷺ تو بطریق اولیٰ ساری کائنات کا مشاہدہ فرماتے ہیں۔

امام بخاری کو اصل میں اس حدیث کو روایت کرتے ہوئے روحانی حلاوت اور چاشنی مل رہی ہے اس لئے مختلف عنوانات کے تحت بار بار اس حدیث کو لا رہے ہیں اور سمجھانا یہ چاہتے ہیں کہ اے اہل ایمان! تمہارے ایمان کی پہچان معرفت مصطفیٰ ﷺ ہے، معرفت مقام مصطفیٰ ﷺ ہے۔ اسی بناء پر اہل سنت کے علماء، اولیاء، صوفیاء زندگی میں اپنی تمام گفتگو کا مرکز ومحور مقام مصطفیٰ ﷺ ہی کو بناتے ہیں۔ اکابرین اہل سنت، اولیاء، علماء، صوفیاء کی پوری زندگی اس محنت میں گزرتی ہے نیز تحریک منہاج القرآن کا مقصد اولین و آخرین بھی یہی ہے۔ میں نے 81ء سے لے کر آج تک 25 برس کا لمحہ لمحہ، تاجدار کائنات کے نعلین اور کملی کی قسم! صرف اور صرف اسی ایک بات پر صرف کر دیا کہ امت کو مصطفیٰ ﷺ کی معرفت ہو جائے کیونکہ ایمان کا بچنا اور جنت کے ملنا کا قبر میں امتحان کی کامیابی پر مدار ہے۔ پس امام بخاری جتنی بھی روایات لائے ہیں اس میں من ربک اور ما دینک کا سوال ہی نہیں ہے۔ سارے سوال ختم کر کے امام بخاری صرف ایک ہی سوال کی روایت کرتے ہیں کہ مصطفیٰ ﷺ کے بارے میں عقیدہ کیا ہے؟ اس لئے کہ بخش کا مدار معرفت مصطفیٰ ﷺ پر۔۔۔ ایمان کا مدار معرفت مصطفیٰ ﷺ پر۔۔۔ جنت کا حصول معرفت مصطفیٰ ﷺ پر ہے۔

ایک لطیف نکتہ

مَاکُنۡتَ تَقُوۡلُ فِی حَقِّ ھٰذَا الرجل (اس ہستی کے بارے میں کیا کہا کرتا تھا) مَاکُنۡتَ تَقُوۡلُ کے الفاظ سے ایک اور نکتہ کی وضاحت بھی ہو رہی ہے کہ جب مضارع پر کَانَ یَکُوۡنُ کو داخل کیا جائے تو ماضی استمراری کا مفاد حاصل ہوتا ہے یعنی یہ نہیں کہ یہ کون ہیں؟ اور ان کے بارے میں کیا کہتے ہو؟۔۔۔ بلکہ کہا جائے گا کہ دنیا میں کیا کہا کرتے تھے۔۔۔ اس لئے کہ جب نگاہوں کے سامنے جلوۂ مصطفیٰ ﷺ ہوگا تو ممکن ہے بڑے بڑے بھکے ہوئے لوگوں کی عقل بھی ٹھکانے آجائے۔۔۔ مقام مصطفیٰ ﷺ کو دیکھ کر ممکن ہے ہر کوئی پہچان لے کہ یہ حضور ﷺ ہیں۔۔۔ حدیث مبارکہ کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ اس وقت کی پہچان کام نہ آئے گی۔۔۔ اس لئے پوچھا جائے گا کہ آج کا نہ بتا بلکہ یہ بتا کہ زندگی میں ان کے بارے میں عقیدہ کیا رکھا کرتا تھا؟۔۔۔ ان کی شان کیسے بیان کرتا تھا؟۔۔۔ ان کا مقام اور قدر و منزلت کیا بیان کرتا تھا؟۔۔۔ اپنے جیسا کہتا تھا یا کسی جیسا نہ کہتا تھا۔ اس لئے اعلیٰ حضرت نے کہا۔

آج لے ان کی پناہ، آج مدد مانگ ان سے
کل نہ مانیں گے قیامت کو اگر مان گیا

جب مومن حضور ﷺ کو پہچان لے گا تو سنن ترمذی کے الفاظ ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ فرشتے کہیں گے کہ قَدۡ کُنَّا نَعۡلَمُ اَنَّکَ تَقُوۡلُ ھٰذَا۔ (سنن الترمذی، ج۳، ص۳۸۳، حدیث۱۰۷۱)

''اے مومن ہمیں معلوم تھا کہ تو حضور ﷺ کو پہچان لے گا''۔

قبر کا امتحان معرفتِ مقامِ مصطفیٰ ﷺ

اس طرح اس حدیث کو معرفت مقام مصطفیٰ ﷺ کے سوال کے ساتھ امام ابن ماجہ، امام احمد بن حنبل نے بھی ذکر کیا اور اس کے الفاظ بڑے ایمان افروز ہیں حضور ﷺ نے فرمایا:

وَاَمَّا فِتۡنَةُ الۡقَبۡرِ فَبِیۡ تُفۡتَنُوۡنَ وَعَنِّیۡ تُسۡئَلُوۡنَ۔ (مسند احمد، ج۶، ص ۱۳۹، حدیث ۲۵۱۳۳)

''صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ قبر کا امتحان کیا ہے؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا) کہ قبر کا امتحان یہ ہے کہ امتحان صرف میری نسبت لیا جائے گا اور صرف میری نسبت پوچھا جائے گا''۔

عربی لغت اور نحو کو جاننے والے جانتے ہیں کہ اگر الفاظ ہوتے تُفۡتَنُوۡنَ بِیۡ وَتُسۡئَلُوۡنَ عَنِّیۡ یعنی ''بِیۡ'' اور

''عَنِّی'' بعد میں وارد ہوتے تو حصر نہ ہوتا۔ جب ان الفاظ کو مقدم کیا تو اس تقدیم میں حصر ہے۔ پس فِیْ تُفْتَنُوْنَ وَعَنِّی تُسْئَلُوْنَ ''یعنی صرف میری نسبت ہی امتحان لیا جائے اور صرف میری نسبت ہی سوال کیا جائے گا کہ بتاؤ مقام مصطفیٰ ﷺ کیا ہے؟۔۔۔ اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے کتاب الزہد، باب ذکر القبر میں روایت کیا۔۔۔ امام عسقلانی فتح الباری جلد۳ ص ۲۴۰ پر روایت کیا۔۔۔ امام عبداللہ بن احمد بن حنبل نے کتاب السنہ میں روایت کیا۔ نیز فرمایا کہ اس کی اسناد صحیح ہیں۔

قبر کے سوالات میں سے صرف ایک ہی پر حصر کیوں؟

بقیہ سوالات من ربک وما دینک کے بارے روایت نہ کرنے اور صرف ایک پر حصر کرنے کا جواب محدثین نے یہ دیا کہ جب مقام مصطفیٰ ﷺ کو پہچان لیا تو خدا اور اسلام والے سوال اس کے اندر خود بخود آ گئے۔ اس حوالے سے ایک تطبیق میں بھی عرض کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ میری تحقیق، ذوق علمی اور وجدان دو باتوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

ایک توجیہ: ایک تو یہ ہے کہ اگر ترتیب سے تین سوال بھی ہوں تو اس امتحان کے پرچے کی طرح جس میں ایک سوال لازمی حل کرنا پڑتا ہے، معرفت مقام مصطفیٰ ﷺ کا سوال، لازمی سوال کی مانند ہے یا لازمی پرچہ کی مانند ہے جسے حل کرنا ضروری ہے اور جس کے بغیر کامیابی ممکن نہیں۔۔۔ اگرچہ بقیہ سوالات یا پرچہ جات میں کامیاب ہی کیوں نہ ہوں۔ جب تک اس سوال میں کامیابی نہیں ہوگی بقیہ جوابات کو Intertain ہی نہ کیا جائے گا۔

دوسری توجیہ: حضور ﷺ نے صرف ایک ہی سوال پر حصر کیوں فرمایا؟ اور بقیہ کو ذکر کیوں نہ کیا؟ میرے نزدیک اس کی دوسری توجیہ یہ ہے کہ پہلے دو سوال اور تیسرا سوال الگ الگ مقاصد کے لئے ہیں۔ مَنْ رَّبُّکَ (تیرا رب کون ہے؟) یہ سوال اس امر کا تعین کرنے کے لئے ہے کہ مرنے والے اللہ کے وجود کو ماننے والا ہے یا ملحد ہے یعنی اللہ کے وجود کو سرے سے ہی نہ ماننے والا ہے۔۔۔ چونکہ ہر ایک میت سے سوال ہوگا خواہ وہ کافر ہے، مومن ہے یا منافق و ملحد اس لئے اس بات کا فرق کرنے کے لئے کہ کون اللہ کو ماننے والا ہے اور کون اس کے وجود کا انکار کرنے والا۔۔۔ جب اس سوال کے جواب میں یہ امتیاز ہوگیا کہ میت اللہ کو مانتی ہے، مرنے والا الہامی مذہب کو مانتا ہے تو اس کے لئے دوسرا سوال ہوگا کہ کیونکہ رب کو ماننے والے مسلمان بھی ہیں، یہودی بھی ہیں اور عیسائی بھی لہذا اب بتا کہ۔۔۔ مَادِیْنُکَ (کہ تیرا دین کیا ہے؟) تاکہ اس سوال سے یہ فرق ہوجائے کہ یہ عیسائی ہے، یہودی ہے یا مسلمان ہے؟۔۔۔ یعنی تفریق بین المذاہب الالہامیہ کے لئے دوسرا سوال کیا جائے گا۔۔۔ اور اگر مرنے والے نے جواب دیا کہ میرا دین اسلام ہے اور میں مسلمان ہوں، پس جب مسلمان کا یقین ہوگیا تو پھر مسلمان کے لئے باقی نہیں صرف ایک ہی سوال ہے کہ اگر تو مسلمان ہے تو بتا مقام مصطفیٰ ﷺ کیا ہے؟ پس تین سوالوں کی حکمت یہ ہے اور یہی وہ عقیدہ ہے جس پر ہمیں ہمیشہ انحصار کرنا چاہئے۔

تین سوال بالترتیب سنن ابی داؤد کتاب السنہ، باب المسئلہ فی القبر والعذاب القبر میں درج ہیں۔ گویا بخاری سے نچلے درجے کی دیگر کتب نے تین سوال بیان کئے ہیں، امام بخاری کے عقیدے میں ایک ہی سوال ہے انہوں نے بقیہ دو سوالات کی حدیث کو روایت کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ (جاری ہے)

تحفظِ نسواں ایکٹ 2006ء کا تجزیہ

شعبہ تحقیق تحریکِ منہاج القرآن

گذشتہ ماہ پاکستان کی قومی اسمبلی اور سینٹ میں حدود آرڈیننس 1979ء میں ترامیم کا مسودہ حکومت کی ہنگامہ خیز تائید کے سائے میں منظوری کے بعد نافذالعمل قانون کا حصہ بنادیا گیا حالانکہ یہ قانونی ترامیم ملکی تاریخ کا متنازعہ ترین معاملہ بن چکا ہے جس کے خلاف شریعت ہونے پر پورے ملک کی مذہبی جماعتوں اور قانونی ماہرین کا اتفاق ہو چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ملک کے تمام نامور ادارے اور شخصیات اپنا اپنا موقف واضح کر رہے ہیں۔

تحریک منہاج القرآن بھی شرعی حدود و تعزیرات میں تبدیلی پر مبنی اس حکومتی اقدام پر سراپا احتجاج ہے۔ ذیل میں تحفظ نسواں ایکٹ 2006ء کا تفصیلی تجزیہ پیش کیا جارہا ہے۔ شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کے بغرض علاج بیرون ملک ہونے کی وجہ سے یہ تجزیاتی رپورٹ نائب امیر تحریک پیر خلیل الرحمٰن چشتی اور ناظم اعلیٰ تحریک ڈاکٹر رحیق احمد عباسی کی زیرنگرانی ڈاکٹر علی اکبر قادری، ڈاکٹر طاہر حمید تنولی اور انوار اختر ایڈووکیٹ (سیکرٹری جنرل PAT) نے تیار کی ہے۔ (ادارہ)

تحفظ خواتین ایکٹ 2006ء کے تفصیلی تجزیے سے قبل اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ قرآن و سنت میں حدود اللہ کو واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے۔ ان میں ردّ و بدل کی اِجازت کسی پارلیمنٹ، عدالت، ریاست یا حکمران کے پاس نہیں۔ نیز یہ کہنا بھی مبنی بر جہالت و بدنیتی ہے کہ زنا اور قذف کی سزائیں قرآن و سنت میں مقرر نہیں ہیں۔ اِختصار کے سبب ذیل میں ہم قرآن حکیم کی چند آیات اور ان کے تراجم پر اِکتفا کریں گے:

حدود اللہ میں ردّ و بدل کی اجازت نہیں

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

تِلْکَ حُدُوْدُ اللهِ ط وَ مَنْ يُّطِعِ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط وَذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ وَمَنْ يَّعْصِ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ○ (القرآن، النساء، ۴: ۱۳، ۱۴)

''یہ اللہ کی (مقرر کردہ) حدیں ہیں، اور جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) کی فرماں برداری کرے اسے

وہ بہشتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں رواں ہیں، ان میں ہمیشہ رہیں گے، اور یہ بڑی کامیابی ہےo اور جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کرے اور اُس کی حدود سے تجاوز کرے اسے وہ دوزخ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اور اس کے لیے ذِلت انگیز عذاب ہےo''

تِلْکَ حُدُوْدُ اللهِ ط وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ. (الطلاق، ۶۵: ۱)

''اور یہ اللہ کی (مقرّرہ) حدیں ہیں، اور جو شخص اللہ کی حدود سے تجاوز کرے تو بے شک اُس نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے۔''

زنا کی سزا قرآن میں مقرر ہے

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ص وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ج وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَo (النور، ۲۱: ۲)

''بدکار عورت اور بدکار مرد (اگر غیر شادی شدہ ہوں) تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو (شرائطِ حد کے ساتھ جرمِ زنا کے ثابت ہو جانے پر) سو (سو) کوڑے مارو (جب کہ شادی شدہ مرد و عورت کی بدکاری پر سزا رجم ہے اور یہ سزائے موت ہے) اور تمہیں ان دونوں پر (دین کے حکم کے اجراء) میں ذرا ترس نہیں آنا چاہئے اگر تم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، اور چاہئے کہ ان دونوں کی سزا (کے موقع) پر مسلمانوں کی (ایک اچھی خاصی) جماعت موجود ہوo''

قذف کی سزا بھی قرآن میں مقرر ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ج وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَo (النور، ۲۱: ۴)

''اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر (بدکاری کی) تہمت لگائیں پھر چار گواہ پیش نہ کرسکیں تو تم انہیں (سزائے قذف کے طور پر) اَسّی کوڑے لگاؤ اور کبھی بھی ان کی گواہی قبول نہ کرو، اور یہی لوگ بدکردار ہیںo''

اسلام اور آئین کی خلاف ورزی پر مبنی ایکٹ

اسلامی جمہوریہ پاکستان کی پارلیمنٹ کا منظور کردہ تحفظ خواتین ایکٹ 2006ء اپنے مندرجات کے اعتبار سے مندرجہ بالا عنوان کے برعکس اور قرآن و سنت اور آئین پاکستان سے براہ راست متصادم ہے۔ اس قانون میں نہ صرف آئین میں دیئے گئے صریح اور واضح رہنما اصولوں کو نظر انداز کیا گیا ہے بلکہ قرآن و سنت کی واضح تعلیمات (جن کا اوپر ذکر ہوا) کی بغاوت پر مبنی موقف بھی اختیار کیا گیا ہے۔ کمال ستم ظریفی یہ ہے کہ یہ سب کچھ

☆ قرآن و سنت کی اطاعت و تشریح ☆ آئین پاکستان کی تعمیل...... اور ☆ حقوق نسواں کے تحفظ کے نام پر کیا جا رہا ہے۔

اس ایکٹ کے ابتدائیہ میں ہی یہ قرار دیا گیا ہے کہ:

''چونکہ دستور کا آرٹیکل ۱۴ اس امر کو یقینی بناتا ہے کہ شرف انسانی اور قانون کے تابع، گھر کی خلوت قابل حرمت ہوگی۔''

''چونکہ دستور کا آرٹیکل ۲۵ اس امر کی ضمانت دیتا ہے کہ محض جنس کی بناء پر کوئی امتیاز نہیں کیا جائے گا اور یہ کہ ریاست خواتین کے تحفظ کے لیے تصریحات وضع کرے گی۔''

''چونکہ دستور کا آرٹیکل ۳۷ سماجی انصاف کو فروغ دینے اور سماجی برائیوں کا خاتمہ کرنے کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔''

''چونکہ اس بل کا مقصد ایسے قوانین لانا ہے جو زنا اور بالخصوص قذف سے متعلق ہوں بالخصوص دستور کے بیان کردہ مقاصد اور اسلامی احکام سے مطابقت رکھتے ہوں۔''

ان ابتدائی اصولی تصریحات کے بعد سیکشن وائز آئینی ترجیحات کا سلسلہ شروع ہو رہا ہے۔ پورے ایکٹ میں اسلام اور آئین پاکستان کی روح کو جس بے دردی، چالاکی اور مکاری کے ساتھ پامال کیا گیا ہے اس کی مثال سابقہ ادوار میں کہیں نہیں ملتی۔ خاص طور پر ''سماجی برائیوں کے خاتمے اور اسلامی احکام سے مطابقت'' جیسے تمام دعوؤں کے برعکس اقدامات کیے گئے ہیں۔ جس کا لازمی نتیجہ ایک ایسے معاشرے کے قیام کی راہ ہموار کرنا ہے جہاں اَخلاقی اَقدار کے پنپنے کے امکانات معدوم اور جرم وگناہ کے فروغ کے تمام راستے کھل جائیں گے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اس قانون کے روبہ عمل ہونے کے بعد پاکستانی معاشرے میں زنا کے مجرموں کو تو جرم کے اِرتکاب کا لائسنس مل جائے گا اور اخلاقی اقدار کی علم برداری اور جرم وگناہ کے قلع قمع کے لیے آواز بلند کرنا قانونی خودکشی کے مترادف قرار پائے گا۔ ذیل میں اب ہم اس ایکٹ کا شق وار تجزیہ پیش کرتے ہیں:

سیکشن نمبر 1: تحفظ و فروغِ بدکاری ایکٹ

مختصر عنوان اور آغاز نفاذ کے تحت اس قانون کا نام ''تحفظ خواتین ایکٹ 2006'' قرار دیا گیا ہے جب کہ اپنے مندرجات کے لحاظ سے اس قانون کا عنوان ''تحفظ و فروغ بدکاری ایکٹ'' ہونا چاہیے۔ کیوں کہ اس قانون میں کمال عیاری اور بدنیتی سے قرآن وسنت، آئین پاکستان اور تحفظ خواتین کے نام پر معاشرے میں بدکاری کے مرتکب مجرموں کو کھلی چھٹی دینے کے تمام اقدامات کیے گئے ہیں۔ اس قانون کے نفاذ کے بعد بدکاری کے مجرموں کو تو کسی قسم کی گرفت کا خوف نہ ہوگا جب کہ بدکاری کے خاتمہ کے لیے عدالت سے رجوع کرنے والے معاشرے کے شریف افراد کے سروں پر نوع بہ نوع سزاؤں کی تلواریں لٹکتی رہیں گی۔ درج ذیل وجوہات کی بناء پر یہ ایکٹ غیر اسلامی اور غیر آئینی ہے۔

☆ اس ایکٹ کے تحت زنا بالجبر موجبِ حد کی سزا کے قانون خصوصاً کوڑوں کی سزا کو ختم کر دیا گیا ہے یہ اقدام قرآن وسنت سے متصادم ہے جب کہ زنا بالجبر موجب تعزیر کی دفعات کو حدود آرڈی ننس سے نکال کر تعزیرات پاکستان میں شامل کر دیا گیا جو کہ غیر ضروری اقدام ہے۔

☆ اس ایکٹ کے تحت زنا بالرضا موجبِ تعزیر کے قانون کو ختم کر دیا گیا ہے جب کہ زنا بالرضا موجب حد کے قانون کو غیر مؤثر کرنے کے لیے ناقابل دست اندازی پولیس اور قابل ضمانت بنا دیا گیا ہے۔ یہ اقدام بھی قرآن وسنت کی روح کے منافی ہے۔

☆ اس ایکٹ کے تحت قذف موجب تعزیر کے قانون کو ختم کر دیا گیا ہے جب کہ قذف موجب حد کے قانون کو برقرار رکھا گیا ہے۔ اب زنا بالرضا کے مدعی کے استغاثہ کے اخراج یا ملزم کی بریت پر کسی مزید ثبوت یا مقدمہ کی

کارروائی کے بغیر قانونِ قذف کے تحت "حد" کی سزا دی جاسکے گی، جس سے سچا مقدمہ درج کروانے کی حوصلہ شکنی ہوگی۔ یہ اقدام بھی قرآن وسنت کی روح کے منافی ہے۔

سیکشن 2 تا 4

یہ ترمیمات درست ہیں۔ ان کے مطابق "عورت کو نکاح وغیرہ پر مجبور کرنے کے لیے اغوا کرنے یا اس کی ترغیب دینے، کسی کو غیر فطری خواہش نفسانی کا نشانہ بنانے کی غرض سے اغوا کرنے، کسی کو عصمت فروشی کی اغراض سے فروخت کرنے اور عصمت دری کی اغراض سے خریدنے" پر تعزیری سزاؤں کا تعین کیا گیا ہے، جو کسی بھی معزز معاشرے کے لیے ضروری ہے۔ تاہم یہ تعزیری سزائیں حدود آرڈی ننس میں بھی موجود تھیں۔

اس ایکٹ کی دفعات 2 تا 4 کے تحت جرمِ زنا (نفاذ حدود) آرڈی ننس 1979ء میں زنا بالجبر موجب تعزیر کی سزاؤں والی دفعات کو حذف کر کے تعزیرات پاکستان میں شامل کرنے کی منطق یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک مظلوم عورت کے لیے زنا بالجبر میں 4 گواہ پیش کرنے کی شرط کڑی تھی۔ حالانکہ حدود قوانین میں تزکیہ شہود کے تحت 4 گواہان کی شرط صرف زنا بالجبر موجبِ حد کے لیے تھی جب کہ زنا بالجبر موجبِ تعزیر کے تحت صرف عورت کی گواہی، میڈیکل رپورٹ اور معمولی تائیدی شہادت پر بھی ملزم کو سزا ہوجاتی تھی۔ لہٰذا یہ پراپیگنڈہ اسلام کے خلاف غلط فہمی اور شرانگیزی پیدا کرنے کے مترادف ہے۔ مزید برآں ان جرائم کی سزاؤں سے کوڑوں کی سزاؤں کا حذف کیا جانا بھی قرآن وسنت کے منافی اور موجود توبیخی اقدامات ختم کرنے کے مترادف ہے۔

سیکشن نمبر 5: زنا بالجبر سے متعلق نئی دفعات

اس سیکشن کے تحت زنا بالجبر کو حدود آرڈی ننس سے نکال کر تعزیرات پاکستان میں داخل کر دیا گیا ہے۔ موجودہ قانون میں شامل کی جانے والی ترمیمات کے نتیجے میں

(۱) زنا بالجبر کی سزا کو حد سے نکال کر ستوجب تعزیر قرار دے دیا گیا ہے۔ حکومت کے بقول قرآن وسنت میں زنا بالجبر کی سزا کا تعین نہیں ہے، یہ یا تو جہالت اور قرآن وسنت کی تعلیمات سے بے خبری ہے یا سراسر بدنیتی۔

کیوں کہ قرآنِ حکیم میں اس بات کی صراحت کردی گئی ہے کہ جرم زنا کی سزا کیا ہوگی۔ (اس کی وضاحت ابتداء میں آیات قرآنی سے ہوچکی ہے۔) لہٰذا زنا بالجبر کے سنگین جرم کو حدود آرڈی ننس سے نکال کر صرف تعزیرات پاکستان کا حصہ بنا دینا اللہ کے قانون سے بے خبری یا اسے عمداً پس پشت ڈالنے کے مترادف ہے۔ اس سیکشن کے تحت اس قانون میں جو قباحتیں در آئی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب زنا بالجبر کی سزا بطور حد نافذ نہیں ہوگی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ معاشرے میں سزا کے خوف سے جرائم کے قلع قمع کرنے اور مجرموں کو جرم کے ارتکاب سے روکنے کے لیے جس قدر پیش بندی موجود تھی وہ ختم ہو جائے گی۔

(۲) مزید برآں اس سیکشن میں ذیلی دفعہ 375 کے تحت زنا بالجبر کی تعریف کرتے ہوئے یہ قرار دیا گیا ہے کہ "کوئی بھی شخص زنا بالجبر کا مرتکب قرار دیا جائے گا اگر وہ کسی عورت کے ساتھ اس کی رضامندی سے یا اس کے بغیر بدکاری کرے جب کہ وہ سولہ سال سے کم عمر کی ہو۔"

صاف ظاہر ہے کہ جب یہ شرط عائد کردی گئی ہے تو اس میں 16 سال سے کم عمر خواتین جو بدکاری کا شکار ہوں چاہے ارتکاب جرم زنا بالجبر کے تحت ہو یا زنا بالرضا کے تحت، عورت زنا بالجبر کی اس provision کے تحت بالکل صاف بچ جائے گی کیوں کہ جب بھی سزا کے تعین کا معاملہ درپیش ہوگا 16 سال سے کم عمر کا فائدہ لیتے ہوئے اس جرم کو زنا بالجبر قرار دیا جائے گا جس کے نتیجے میں لڑکی پر چاہے وہ خود ہی جرم کا حصہ کیوں نہ ہو سزا کا اطلاق نہیں ہوگا۔

اس ترمیم سے پیدا ہونے والے خدشات میں سے بڑا خدشہ یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں مغرب کی طرح چھوٹی عمر سے ہی بے راہ روی کے جراثیم تیزی سے پروان چڑھیں گے اور اس ناپختہ عمر کی برائی کے اثرات آگے چل کر بھی گل کھلائیں گے۔

(۳) دوسری اہم بات یہ ہے کہ اگر ہم قرآن مجید کی روشنی میں دیکھیں تو قرآن حکیم نے زنا کی کسی بھی صورت کو سزا سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا۔ ارشاد ربانی ہے۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ. (النور، ۲۴: ۲)

''بدکار عورت اور بدکار مرد (اگر غیر شادی شدہ ہوں) تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو (شرائطِ حد کے ساتھ جرم زنا کے ثابت ہو جانے پر) سو (سو) کوڑے مارو''

اس آیتِ مبارکہ کے کلمات كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا سے یہ مفہوم بالکل واضح ہے کہ ان میں سے اگر دونوں زنا کے جرم میں شریک ہوں تو زنا بالرضا کے تحت دونوں کو سزا کا مستوجب قرار دیا جائے گا۔ اگر ان میں سے ایک ارتکاب جرم کر رہا ہو اور وہ زنا بالجبر ہو تو صرف اسے ہی سزا ملے گی جب کہ دوسرے مظلوم فریق کو سزا نہیں ملے گی یعنی اگر جرم قابل حد نہ ہو تو بطور حد سزا نافذ نہیں ہوگی بلکہ تعزیراً سزا دی جاسکے گی۔۔۔۔ رہا ''زنا بالجبر اور زنا بالرضا'' تو یہ زنا ہی کے دو ذیلی عنوانات (subtitle) ہیں، اس تقسیم سے جرم کی نوعیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ البتہ زنا بالجبر کے مرتکب فریق یعنی مرد کے جرم کی gravity بڑھ جاتی ہے کیوں کہ وہ بیک وقت ''زنا'' اور ''جبر'' دو جرائم کا مرتکب ہو رہا ہوتا ہے۔ حیرت ہے کہ اس دوگنا جرم کے مرتکب کی سزا کو تو حد سے کم کر کے تعزیر کے تحت لایا گیا ہے جب کہ بالرضا بدکاری کے جرم کو بدستور مستوجبِ حد رہنے دیا گیا ہے۔ حالانکہ جرم کی نوعیت کا تقاضا تو یہ ہے کہ یہاں حد یعنی سو کوڑوں کے علاوہ مرد پر مزید سزا کا اضافہ کیا جائے نہ کہ تخفیف۔

اس ترمیم کی واحد حکمت جو ہماری سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر لمبے ہاتھ والے سرکاری کارندے، رسہ گیر، وڈیرے اور مؤثر لوگ بالجبر کسی غریب کی بہن، بیٹی کی عزت لوٹ لیں اور وہ مظلوم عورت یا اس کے ورثاء کسی طرح اس کی FIR درج کروا بھی لیں تو حکومت اور عدالت کے پاس تعزیری سزا کے تحت یہ آپشن ہو کہ انہیں برائے نام سزا دے کر بری کر دیا جائے۔ جہاں تک اس ایکٹ میں موجود سزائے عمر قید کی شق کا تعلق ہے تو نہ کوئی یہ سزا دے گا اور نہ پہلے کسی کو دی گئی ہے۔

اس ترمیمی ایکٹ کا براہ راست اثر یہ ہوگا کہ مؤثر بدکار جرائم کے ارتکاب میں دلیر ہو جائیں گے اور غریب، مزدور اور مجبور کی بہن بیٹی کی بے بسی اور نارسائی میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔

سیکشن نمبر 6 تا 7: یہ سیکشن درست ہیں کیوں کہ یہ تعزیری سزاؤں کے زمرے میں ہی آتے ہیں۔

سیکشن نمبر 8: یہ سیکشن بھی کسی حد تک درست ہے کیوں کہ اس میں عورت کی عصمت دری کی تشہیر کی ممانعت کی گئی ہے اور اسے قابل سزا جرم قرار دیا گیا ہے۔ اس ایکٹ کے تحت عورت اور اس کے خاندان کی عزت اچھالنے کے امکانات کم کیے جاسکتے ہیں بشرطیکہ قانون کی عمل داری کو ممکن بنا جاسکے۔

سیکشن نمبر 9: اس سیکشن میں زنا بالرضا کے جرم کا ارتکاب ہونے پر شکایت بذریعہ استغاثہ درج کرنے کے طریقہ کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ اس حوالے سے جو قباحتیں اور قانونی پیچیدگیاں پیدا ہو رہی ہیں ان کا ذکر درج ذیل ہے:

(۱) عدالتِ مجاز تک رسائی میں مشکلات

اس سیکشن میں یہ قرار دیا گیا ہے کہ زنا بالرضا کے جرم میں تھانہ میں FIR کے اندراج کے بجائے صرف سیشن جج کی عدالت میں ہی زنا بالرضا کے جرم کے ارتکاب کی شکایت درج کروائی جاسکے گی کیوں کہ زنا بالرضا کے جرم کو ناقابل دست اندازی پولیس بنا دیا گیا ہے۔ زنا جیسے جرم کے قلع قمع کے لیے قانون تک عام آدمی کی رسائی کو زیادہ سے زیادہ ممکن بنانے کے بجائے قانون تک رسائی کو محال اور مشکل بنا دینے کا یہ عمل کئی طرح کی مشکلات کا باعث بنے گا۔

مثلاً تمام ضلع میں صرف ایک سیشن عدالت تک ہر شخص کی رسائی قطعاً ممکن نہیں ہوتی کیوں کہ پاکستان کے بعض اضلاع اتنے وسیع و عریض اور دور دراز علاقوں تک پھیلے ہوئے ہیں کہ دیہاتوں میں رہنے والے سادہ لوح لوگ قطعاً سیشن جج کی عدالت تک بار بار آنا بوجوہ afford نہیں کر سکتے۔ بفرض محال وہ پہنچ بھی جائیں تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ ہزاروں مقدموں کی کارروائی میں گھری ہوئی سیشن عدالت ان کی درخواست کو اس دن قبول کر سکے گی۔ اسی طرح کی دیگر قانونی پیچیدگیوں کے باعث مظلوم کے لیے بہ آسانی انصاف تک رسائی مشکل ہوگی۔ اس طرح عملاً زنا کے خلاف شکایت درج کروانا ناممکن ہو جائے گا کیوں کہ ہمارے عدالتی نظام میں یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ایک معمولی سے معاملے کے لیے بھی عدالتوں کے باربار چکر لگانے پڑتے ہیں۔ اب جب کہ ضلع کے کسی دور دراز علاقے میں زنا کے جرم کا ارتکاب ہو اور شکایت کنندگان ایک دو دفعہ سیشن جج کی عدالت تک شکایت کرانے کے لیے آ بھی گئے اور جج کسی بھی وجہ سے عدالت میں نہ ملا تو دوبارہ کوئی بھی عدالت میں آ کر شکایت درج کروانے کی جرات نہیں کرے گا۔

(۲) مظلوم پر قذف کی تلوار

اس ایکٹ کے تحت جہاں ایک طرف ارتکاب زنا بالرضا کی شکایت درج کروانے کے لیے سیشن جج کی عدالت کی شرط ہے وہیں دوسری طرف قانون کے اندر یہ بھی درج کر دیا گیا ہے کہ اگر شکایت کنندگان چار گواہ پیش کر کے جرم کو ثابت نہ کر سکیں تو انہیں بغیر کسی ثبوت یا مقدمہ کی کارروائی کے قذف کے قانون کا سامنا کرنا ہوگا گویا قذف کی تلوار بھی مظلوم کے سر پر ہی لٹکا دی گئی ہے۔

جرم ثابت کرنے کے لیے تو تزکیہ شہود سمیت دیگر کئی شرائط اور پابندیاں لگا دی گئی ہیں لیکن قذف کے ثبوت کے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ کوئی بدکاری کے جرم کی شکایت لے کر عدالت میں آ جائے اور جج اُس کی شکایت سے مطمئن نہ ہو۔ اس سلسلے میں دوسری قابلِ غور بات یہ ہے کہ آج ہمارے معاشرے کی بے حسی کسی سے پوشیدہ نہیں، سامنے گاڑی کے نیچے

کوئی شخص کچلا جائے تو لوگ تھانے میں جا کر اس کی رپورٹ درج کروانے یا اس کی گواہی دینے کی زحمت گوارہ نہیں کرتے چہ جائے کہ ۱۰۰/۵۰ میل دور سے کوئی اس معاشرتی برائی کی شکایت لے کر سیشن جج کی عدالت میں چکر لگاتا پھرے۔ خاص طور پر ایسے حالات میں کہ جب شکایت کنندہ کو یہ بھی معلوم ہو کہ جرمانے اور قید سمیت قذف کی حد اُس پر بھی لگ سکتی ہے اور اس میں جج چاہے تو اس کے گواہوں پر سو طرح کے نقائص نکال کر ان کی چھٹی کرا دے اور مدعی کو لینے کے دینے پڑ جائیں۔ کسی ایک بستی، گاؤں اور تحصیل وضلع میں قذف کا قانون بدنیتی کے ساتھ کسی شخص پر لاگو کر دیا جائے تو کون ہے جو اس کے بعد بدکاری کے معاملات پر انگلی بھی اٹھانے کا روادار ہوگا، نتیجہ اجتماعی بے غیرتی اور بے حسی کی صورت میں نکلے گا۔

(۳) ضلعی عدالتی نظام پر عدمِ اعتماد

یہاں یہ امر بھی حیران کن ہے کہ ضلع کا پورا عدالتی نظام تمام دوسرے اہم ترین معاملات نمٹا رہا ہے۔ ضلعی عدالتی نظام میں عام طور پر ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج کے ماتحت بڑے اضلاع میں 150 تا 200 جج / مجسٹریٹ ہوتے ہیں جب کہ چھوٹے اضلاع میں بھی ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج کے ماتحت تقریباً 100 تک جج / مجسٹریٹ ہوتے ہیں۔ یہ لوگ سنگین جرائم اور لاکھوں کروڑوں کی مالیت کے معاملات نبٹاتے ہیں لیکن ان معاملات میں تو ضلع کے عدالتی نظام پر عدم اعتماد کا اظہار نہیں کیا جاتا جب کہ زنا کے لیے ضلع کے پورے عدالتی نظام کو اٹھا کر ایک طرف رکھ دیا گیا ہے اور یہ شرط عائد کر دی گئی ہے کہ صرف سیشن جج کی عدالت میں ہی آ کر جرم کے خلاف شکایت درج کروائی جائے۔ مزید برآں سیشن جج پر ضلع کی عدالت ہونے کے ناطے کئی دیگر امور کا بوجھ بھی ہوگا۔ اندریں حالات یہ معاملات قطعاً اس کی ترجیح میں شامل ہی نہ ہو سکیں گے۔ لہٰذا اس بات کا زیادہ امکان ہوگا کہ بدکاری کے یہ مقدمات غیر ضروری طوالت کا شکار ہوتے رہیں۔

(۴) اِستغاثہ کا کڑا معیار

جرم ثابت کرنے کے لیے مقدمہ کی کارروائی کے دوران گواہوں اور تزکیۂ شہود کی شرط لازمی ہوتی ہے نہ کہ شکایت کے اندراج اور استغاثہ کو قابل سماعت بنانے کے لیے۔ جب کہ یہاں تو استغاثہ کو قابل سماعت بنانے کے لیے بھی اس بات کو لازمی قرار دیا گیا ہے کہ جب تک چار گواہوں کی شرط پوری نہیں ہوتی اس وقت تک شکایت کا اندراج بھی نہ کیا جائے اور شکایت کرنے والے کی شکایت کو رڈ کر دیا جائے۔ استغاثہ کا یہ کڑا معیار بجا تھا بشرطیکہ جرم ثابت کرنے کے بقیہ تقاضے بھی عین مطابقِ شریعت ہوں لیکن یہاں تو گنگا ہی الٹی بہائی جا رہی ہے۔ اس نرالے طریق کار کی کوئی مثال اس سے پہلے نہیں ملتی۔

(۵) ملزم کے لیے غیر ضروری رعایت

مزید برآں اس سیکشن کے تحت زنا کے جرم کو قابلِ ضمانت بھی قرار دے دیا گیا ہے۔ جس سے جرم کی شدت کم تر ہوگئی ہے یعنی مجرم تو جرم کا ارتکاب بار بار کرنے کے باوجود صرف ذاتی مچلکے پُر کر کے ضمانت پر رہا ہو جائے گا اور معاشرے میں دندناتا پھرے گا۔ جب کہ شکایت کنندہ جو مظلوم ہوگا معاشرے میں اس سنگین جرم کے خاتمے کے لیے عدالت سے رجوع کر رہا ہوگا اور عدالت میں پیشیاں بھگت رہا ہوگا اسے قذف کے قانون کا سامنا بھی ہوگا یہ صورتحال یقیناً ملزم کو غیر ضروری رعایت دینے اور مظلوم کے لیے مشکلات میں اضافے کا سبب ہوگا۔ جس کے نتیجے میں جرائم کی بے پناہ حوصلہ افزائی ہوگی۔

سیکشن نمبر 10: اس دفعہ کے تحت شیڈول میں زنا بالجبر قابل تعزیر کی شق نمبر i تا viii ماسوائے زنا بالجبر موجب حد کی شق v درست ہیں تاہم مجسٹریٹ اور ضلع کے مقامی عدالتی نظام پر اعتماد کی ضرورت ہے اور عام آدمی کے لیے قانون تک رسائی کے امکانات کو کھلا رکھنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ آسانی سے عدلیہ تک رسائی حاصل کر سکے۔ مزید براں زنا جیسے سنگین جرم کے ارتکاب پر کوڑوں کی سزا کو بھی بحال رکھنا چاہیے تاکہ مجرموں کی حوصلہ شکنی کے زیادہ سے زیادہ امکانات موجود رہیں۔

اس ایکٹ کی شق v زنا بالجبر موجب حد سے متعلق ہے مگر تعزیر کے تحت سزا کا تقرر بھی حدود ایکٹ کے تحت اسی کے ساتھ الگ کیا جانا چاہیے تھا۔ اسی طرح اس ایکٹ کی دفعہ 10 کی شق ix میں زنا بالرضا موجب حد کو ناقابلِ دست اندازیٔ پولیس اور قابلِ ضمانت قرار دینا قانون کو غیر مؤثر کرنے کے مترادف ہے۔ یہ اقدام قرآن وسنت کی روح کے منافی ہے۔

سیکشن نمبر 11 اور 13: زبانی نکاح کا تحفظ

اسی ایکٹ کے سیکشن نمبر 11 اور 13 میں یہ قرار دیا گیا ہے کہ زنا کا جرم آرڈی ننس 1979ء کی دفعہ 2 اور 4 میں validly married کے الفاظ میں سے لفظ ''validly'' (جائز طور پر) حذف کر دیا جائے گا۔ یہ ''حذف'' دراصل بدکاری کے راستے کو کھولنے کے مترادف ہے۔ لفظ ''جائز'' کو حذف کرنے کے لیے جو استدلال پیش کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے دیہاتوں میں اکثر و بیشتر نکاح کی رجسٹریشن کا اندراج موجود نہیں ہوتا جس کی وجہ سے عام لوگوں پر زنا کا الزام لگنے کی صورت میں انہیں اپنی حفاظت اور تحفظ کی سہولت موجود نہیں ہوتی۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہاں عام آدمی کو تحفظ دینے کے لیے لفظ ''جائز'' کو حذف کرنے کی دلیل پیش کی گئی۔ جب کہ اس اقدام میں طاقتور کو تحفظ دینے کے امکانات زیادہ موجود ہیں کیوں کہ وہ علاقے جہاں پر طاقتور لوگ اپنی طاقت کے بل بوتے پر غریب لوگوں کی عزتوں سے کھیلتے ہیں ان کے لیے یہ کام بہت آسان ہوگا۔ جب بھی ان کے خلاف کوئی شکایت درج کروائی جائے گی تو وہ کہیں گے: ہم نے تو نکاح کر رکھا ہے۔ نکاح کے جائز ہونے کے قانونی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے شرط موجود نہ ہونے سے زبانی نکاح کو اپنے تحفظ اور ڈھال کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں۔ ان حالات میں زیادہ ضروری تھا کہ یہاں لفظ ''جائز'' کو ختم کرنے کی بجائے دیگر اقدامات کیے جاتے کیوں کہ جب بھی دیہاتوں میں شادیاں ہوتیں ہیں، گواہوں اور والدین کی رضامندی کے بغیر کوئی نکاح نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا یہاں ضروری تھا کہ یہ قرار دیا جاتا کہ اگر نکاح کا اندراج موجود نہیں ہے تو علاقے کے معزز افراد اور والدین کی گواہی کے تحت اس امر کا فیصلہ کیا جائے گا کہ نکاح ہوا یا نہیں جب کہ موجودہ صورت میں معاشرے کے طاقتور اور مجرم صفت لوگوں کے لیے اپنے زنا کو زبانی نکاح قرار دے کر بدکاری کے راستوں کو مزید کھول دیا گیا ہے۔ اسی طرح اسلام میں void اور voidable شادیوں کی ممانعت کے قانون کے خلاف قانون بنا کر اسلامی خاندانی نظام پر کڑی چوٹ لگائی گئی ہے۔

سیکشن نمبر 12: حدود قوانین کی برتری کا خاتمہ

اس ایکٹ کے سیکشن 12 کے تحت جرم زنا (نفاذ حدود) آرڈی ننس 1979ء کی دفعہ 3 کو حذف کر کے حدود قوانین کی دیگر تمام متعلقہ قوانین پر برتری کا قانونی اصول ختم کر دیا گیا ہے۔ یہ اقدام بھی آئین اور قرآن وسنت سے متصادم ہے۔

سیکشن نمبر 14: زنا بالجبر موجبِ حد کے قانون کا ختم

اس ایکٹ کی دفعہ 14 کے تحت جرم زنا (نفاذِ حدود) آرڈی نس 1979ء کی زنا بالجبر موجب حد کی دفعات 6 تا 7 ختم کردی گئی ہیں۔ جو قرآن وسنت سے کھلا تصادم ہے کیوں کہ قرآن وسنت کے مطابق زنا بالجبر کا جرم زنا بالرضا کے جرم سے بھی سنگین ہے۔ لہٰذا زنا بالجبر موجبِ حد کے قانون کو تعزیرات میں شامل کرنا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے بغاوت اور جنگ کے مترادف ہے۔

سیکشن نمبر 15 تا 16: اس ایکٹ کی دفعہ 15 کے تحت جرم زنا (نفاذِ حدود) آرڈی نس 1979ء کی نفاذ حد کے لیے تزکیہ شہود کی بنیاد پر شہادت کے معیار کی دفعہ 8 سے ''زنا بالجبر'' کے الفاظ حذف کر دیے گئے ہیں۔ یہ اقدام قرآن وسنت سے اس لیے متصادم ہے کہ اسلام میں جہاں زنا بالجبر موجبِ حد کی سخت سزا کا تعین ہے وہاں اس کے ثبوت کا معیار بھی کڑا رکھا گیا ہے۔

سیکشن نمبر 17: اس سیکشن کے تحت درج ذیل قانونی ترمیمات کی گئی ہیں۔

(ا) زنا موجبِ تعزیر کے قانون کا خاتمہ

اس ایکٹ کے تحت جرمِ زنا (نفاذِ حدود) آرڈی نس 1979ء کی زنا بالرضا موجبِ تعزیر اور زنا بالجبر موجبِ تعزیر کی سزاؤں کی دفعہ 10 حذف کردی گئی ہے حالانکہ قرآن وسنت کے طے کردہ حدود قوانین اٹل ہیں۔ تاہم ریاست کو تعزیری قوانین بنانے کا اختیار حاصل ہے۔ لہٰذا حدود آرڈی نس کی یہ دفعہ 10 قرآن وسنت کی روح کے مطابق تھی مگر اسے حذف کر کے قرآن وسنت کے منافی اقدام کیا گیا ہے۔

حدود آرڈی نس کے تحت اگر کسی ملزم کے خلاف نفاذ حد کے معیار کی مکمل شہادت میسر نہ ہوتی مگر جرم کے ثبوت کے لیے قرائنی شہادت میسر آ جاتی تو ملزم بری نہ ہوتا تھا بلکہ ملزم کو ''حد'' کی سزا کے بجائے ''تعزیر'' کے تحت سزا ہو جاتی تھی۔ اب زنا بالرضا کے الزام میں اگر ملزم کے خلاف تزکیہ الشہود کی بنیاد پر مکمل شہادت میسر نہ آئی تو ملزم کو بالکل بری کر دیا جائے گا اور تعزیری سزا بھی نہ ہو سکے گی۔ یہ اقدام بھی قرآن وسنت کی روح کے منافی ہے۔ یہ ترمیم بدنیتی پر مبنی ہے جس کا واحد مقصد معاشرے میں جرمِ زنا کے ارتکاب کو فروغ دینا اور جرائم پر قانون کی گرفت ڈھیلی کرنا ہے۔

(۲) زنا بالجبر موجبِ تعزیر سے کوڑوں کی سزا ختم

اس سیکشن کے تحت جرمِ زنا (نفاذِ حد) آرڈی نس 1979ء کی دفعات 11 تا 16 حذف کر کے تعزیراتِ پاکستان میں شامل کردی گئی ہیں۔ کیوں کہ ان دفعات میں بیان کردہ جرائم کا تعلق زنا بالجبر موجب تعزیر سے تھا لہٰذا ان ترامیم کی شرعی حیثیت زنا بالجبر موجب حد کی طرح کا مسئلہ نہیں ہے مگر ان جرائم کی سزاؤں سے کوڑوں کی سزاؤں کا ختم کیا جانا قرآن وسنت کی روح کے منافی اقدام ہے۔ کوڑوں کی سزا کا خاتمہ بدنیتی پر مبنی ہے جس کا واحد مقصد معاشرے میں زنا کے ارتکاب کو مزید فروغ دینا اور مجرموں پر قانون کی گرفت ڈھیلی کرنا ہے۔ بصورتِ تعزیر کوڑوں کی تعداد کم ہوتی ہے، تاہم سزائے قید سمیت دیگر سزائیں بھی دی جا سکتی ہیں۔

(۳) جرم زنا کی attempt کی سزا کا خاتمہ

اِس ایکٹ کے تحت جرم زنا (نفاذ حدود) آرڈی ننس 1979ء کی جرم زنا کی تیاری (attempt) کی دفعہ 18 کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔ اس ایکٹ کے نفاذ کے بعد اب کسی بھی مقام پر چاہے پارک ہو، شاہراہ ہو یا کوئی اور جگہ؛ بوس و کنار جیسی مخرب اَخلاق برائی کے خلاف کوئی بھی اسٹیٹ اتھارٹی کارروائی نہیں کر سکتی۔ یہ اقدام بھی آئین و قرآن و سنت کی روح کے منافی ہے اور مجرموں کو کھلی چھٹی دینے کے مترادف ہے۔ اس سے فحاشی، عریانی اور بے حیائی کو فروغ ملے گا، اور معاشرے میں بے غیرتی عام ہو جائے گی۔

(۴) تعزیراتِ پاکستان کے اِطلاق کا خاتمہ

اِس ایکٹ کے تحت جرمِ زنا (نفاذِ حدود) آرڈی ننس 1979ء کی تعزیرات پاکستان کے بعض قانونی اصولوں کے حدود کیسز پر اطلاق کی دفعہ 19 کو حذف کر دیا گیا ہے مگر وہی اصول حدود آرڈی ننس میں شامل نہیں کیے گئے جو کہ آئین اور قرآن و سنت کے منافی ہے۔

(۵) زنا بالجبر میں سزائے رجم سے متعلق دفعہ کا خاتمہ

اِس کے تحت جرمِ زنا (نفاذ حدود) آرڈی ننس 1979ء میں سزائے رجم کے طریقہ کی دفعہ 17 میں زنا بالجبر موجبِ حد کی دفعہ 6 کے الفاظ کو حذف کر دیا گیا ہے۔

سیکشن نمبر 19: دفعہ 19 کے تحت جرم زنا (نفاذِ حدود) آرڈی ننس 1979ء کی دفعہ 20 میں ترامیم کی گئی ہیں جس کی وجہ سے عدالت مجرم کو کسی دیگر جرم میں ملوث ہونے پر کارروائی کر کے سزا نہیں دے سکے گی جو کہ مجرموں کو کھلی چھٹی دینے کے مترادف ہے۔

سیکشن نمبر 20: دفعہ 20 کے تحت جرمِ قذف (نفاذ حدود) آرڈی ننس 1979ء کی دفعہ 2 میں سے ''تعزیر'' اور ''زنا بالجبر'' کے الفاظ حذف کر دیے گئے ہیں۔

قذف کے قوانین میں ترامیم

سیکشن نمبر 21: دفعہ 21 کے تحت قذف آرڈی ننس کی جرم قذف (نفاذ حد) آرڈی ننس 1979ء موجبِ تعزیر کی دفعہ 4 حذف کر دی گئی ہے جس کی وجہ سے صرف قذف موجبِ حد کا قانون باقی رہ گیا ہے۔ یعنی جرمِ زنا کی رپورٹ درج کروانے والا مطلوبہ ثبوت فراہم نہ کر سکا تو اسے چھوٹی موٹی سزا نہیں بلکہ پورے 80 کوڑے کھانے پڑیں گے لیکن زنا کا جرم قرائنی شہادتوں سے ثابت بھی ہو جائے گا تو مجرموں پر کوئی گرفت نہیں ہو سکے گی۔ یہ قانون چور کی برأت آسان کرتا ہے اور جس کی چوری ہوگئی ہے اُسے لٹکا دیتا ہے۔

سیکشن نمبر 22: شکایت کنندہ کو مجرم بنانے کا پھندا

ایکٹ کے اس سیکشن میں یہ طے کیا گیا ہے کہ اگر زنا بالرضا کی شکایت کرنے والا شخص جرم ثابت نہ کر سکے تو اس پر قذف کا اَز خود اِطلاق ہو جائے گا۔ یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ کبھی بھی قانون کے تحت کوئی جرم از خود دوسرے جرم میں

نہ ہی تبدیل ہوتا ہے نہ ہی خود FIR میں بدل سکتا ہے اور نہ ہی trial کے بغیر سزا ہوسکتی ہے۔ جب کہ اس سیکشن کے تحت جرم زنا بالرضا ثابت نہ ہونے پر اس کو از خود قذف میں بدل دینا یا تو مکاری ہے یا بدکاری کی حمایت کے لیے کی جانے والی واضح حکمتِ عملی۔ تاکہ اس جرم کی شکایت کرنے کے امکانات بھی ممکنہ حد تک مسدود ہو جائیں اور کوئی اس جرم کی شکایت تک کرنے کی جسارت نہ کرسکے۔ اس پر مزید ستم یہ ہے کہ یہ سب کچھ خواتین کی حفاظت کے نام پر کیا جا رہا ہے اور خواتین سے دھوکا کیا گیا ہے اور انہیں ان نام نہاد ''حقوق'' کے تحفظ کے لیے میدان میں کھڑا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

زنا، حد اور شہادت کی نوعیت جدا جدا ہے

اِس ضمن میں کوڑوں کی سزا کو بالکل ختم کرنے کا ذکر بھی ہے حالانکہ تعزیری سزاؤں (یعنی قید اور جرمانہ وغیرہ) کے ساتھ اس کو بھی برقرار رکھنا ضروری ہے۔ تاکہ جرم کے خاتمہ کے لیے زیادہ سے زیادہ امکانات موجود رہیں۔ اسی طرح صفحہ 14 پر دوسرا پیراگراف ہے اس میں یہ قرار دیا گیا ہے کہ اگر چار گواہ ثابت نہ ہوں تو زنا کے کیس کا اندراج نہیں ہوگا۔ یہاں یہ بات سمجھنی چاہیے کہ زنا کے جرم کو قابل حد ثابت کرنے کے لیے چار گواہوں کی ضرورت شریعت نے مقرر کی ہے نہ کہ شکایت کے اندراج کرنے کے لیے۔

یہ بات قابلِ غور ہے کہ زنا، حد اور شہادت تین الگ باتیں ہیں۔ زنا ایک مجرمانہ عمل ہے جو ہر حالت میں جرم ہی رہتا ہے خواہ اُس کی شکایت تک بھی نہ کی گئی ہو۔ جب کہ سزا کا تعلق نفس جرم سے نہیں بلکہ ثبوتِ جرم سے ہے۔ جو حد بھی ہوسکتی ہے اور تعزیر بھی جب کہ شہادت وہ نظام ہے کہ اگر اس کا نصاب پورا ہو تو حد کا نفاذ ہوگا اور اگر دیگر اطمینان بخش شواہد (sufficient grounds to believe) موجود ہوں مگر نصاب حد پورا نہ ہو تو پھر تعزیراً سزا دی جائے گی۔ یعنی ہر عمل کا ایک مرحلہ ہے لیکن اس نوعیت کو سمجھے بغیر موجودہ ایکٹ میں حدود و تعزیرات کے اسلامی قوانین میں من مانی تبدیلیاں کر دی گئی ہیں۔

مثلاً اس سیکشن میں ترمیم کی خاطر یہ موقف اختیار کیا گیا ہے کہ اگر عورت جرم ثابت نہ کر سکے تو اس پر قذف کی حد لاگو ہو جاتی ہے۔ حالانکہ یہ سراسر غلط ہے اور حقائق اور قانون کی روح کے بھی خلاف ہے۔ قانون سازوں نے اس قانون کا یہ حشر کر دیا ہے کہ اب پوری قوم حتیٰ کہ ماں باپ، بہن بھائی اور معاشرے کے ہر فرد پر قذف کا بہ آسانی اِطلاق ہو رہا ہے۔ حل یہ تھا کہ سزا کو تعزیر کے طور پر موجود رکھا جاتا اور جس مرحلہ پر جو سزا درکار ہوتی وہی سزا عائد کی جاتی۔ گویا نہ صرف یہ کہ قانون کے تقاضوں کو پورا نہیں کیا گیا بلکہ قانون سازی کرتے ہوئے قانون کی روح تک کو مسخ کر دیا گیا ہے۔ اس کے لیے جو وضاحتیں پیش کی گئیں ہیں وہ بھی عذر گناہ بدتر از گناہ کے مترادف ہیں۔

سیکشن نمبر 24: قرآنی تعلیمات سے چشم پوشی کی واضح مثال

اس سیکشن کے تحت یہ قرار دیا گیا ہے کہ کسی ایسے مقدمے میں جس میں حد کی تعمیل سے قبل مستغیث قذف کا الزام واپس لے لے یا یہ بیان دے کہ ملزم نے جھوٹا اقبال کیا ہے یا یہ کہ گواہوں میں کسی نے جھوٹا بیان دیا ہے تو حد کا اطلاق نہیں ہوگا۔ یہاں تعزیر کا ذکر بالکل ختم کر دیا گیا ہے۔ جب کہ شکایت کرنے والے کے لیے شکایت کے واپس لینے کے دباؤ موجود ہیں اور اس کے لیے جو دلیل دی گئی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن حکیم نے زنا بالجبر، زنا بالرضا اور قذف کی تعریف بیان نہیں کی۔ یہ کہنا بالکل ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص یہ موقف اختیار کرے کہ قرآن حکیم صوم، صلوٰۃ، اور زکوۃ کی تعریف بیان نہیں کرتا۔ اگر اسی اصول کو لے کر چلیں تو اسلام کے تمام قوانین اور ارکان اسلام کا نظام تہہ و بالا ہو جائے گا۔ قرآن تعریفات بیان کرنے والی کتاب نہیں ہے بلکہ یہ بنیادی اصول دیتی ہے۔ اس نے زنا کا ذکر کرتے ہوئے یہ اصول دے دیا ہے:

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ص وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ج وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَo (النور، ۲۴: ۲)

''بدکار عورت اور بدکار مرد (اگر غیر شادی شدہ ہوں) تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو (شرائطِ حد کے ساتھ جرمِ زنا کے ثابت ہو جانے پر) سو (سو) کوڑے مارو (جب کہ شادی شدہ مرد و عورت کی بدکاری پر سزا رجم ہے اور یہ سزائے موت ہے) اور تمہیں ان دونوں پر (دین کے حکم کے اجراء) میں ذرا ترس نہیں آنا چاہئے اگر تم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، اور چاہئے کہ ان دونوں کی سزا (کے موقع) پر مسلمانوں کی (ایک اچھی خاصی) جماعت موجود ہوo''

اِسی طرح قذف پر بھی حتمی اصول اور ضابطہ بیان کیا گیا ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ج وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَo (النور، ۲۴: ۴)

''اور جو لوگ پاکدامن عورتوں پر (بدکاری کی) تہمت لگائیں پھر چار گواہ پیش نہ کر سکیں تو تم انہیں (سزائے قذف کے طور پر) اسّی کوڑے لگاؤ اور کبھی بھی ان کی گواہی قبول نہ کرو، اور یہی لوگ بدکردار ہیںo''

یہ آیات براہِ راست جرم کی نوعیت، ضابطوں کی بنیادی تفصیل اور اس کی سزائیں بیان کرتی ہیں۔ اس طرح اس قانون میں حد اور تعزیر کو بالکل ختم کر دینا قرآن کی ان بنیادی تعلیمات سے چشم پوشی کے مترادف ہے۔

سیکشن نمبر 25: اِس سیکشن کے تحت قذف آرڈی ننس کی قذف موجبِ تعزیر کی دفعات 10 تا 13 اور جرمِ قذف کی تیاری (attempt) کی دفعہ 15 حذف کر دی گئیں ہیں۔

سیکشن نمبر 26: لعان سے متعلق قانون میں عورت کے لیے مشکلات کا اِضافہ

اِس سیکشن کے تحت قذف آرڈی ننس لعان کی دفعہ 14 کی شق نمبر 3 حذف کر دی گئی ہے، جس میں مرد کو اپنی بیوی پر بدکاری کی تہمت لگانے کے بعد لعان تک قید و بند میں رکھنے کا پابند بنایا گیا تھا۔ اِس شق کے حذف کرنے سے مرد کو کھلی چھٹی مل گئی ہے کہ وہ اپنی بیوی پر بدکاری کی تہمت بھی لگائے، اور لعان سے بھی بچا رہے۔ اب متہمہ بیوی کو اِس ایکٹ کی دفعہ 30 کے تحت طلاق کے لیے لعان کو تنسیخ نکاح کے جواز کے طور پر پیش کرنے کا حق دیا گیا ہے۔ اور تنسیخ ''مسلم نکاح ایکٹ 1939ء'' کی دفعہ 2 کی شق vii-a کا اِضافہ کر دیا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اب ثبوت کی ذِمّہ داری مرد کی بجائے عورت پر آ گئی ہے۔ اس لیے اُسے تنسیخِ نکاح کا مقدمہ اَز سرِ نو دائر کرنا پڑے گا۔ اِس سے عورت کی مشکلات اور حصول اِنصاف میں یقیناً اِضافہ ہوگا۔

اِسی سیکشن کے تحت قذف آرڈی ننس کی لعان سے متعلق دفعہ 14 کی شق نمبر 4 کو بھی حذف کر دیا گیا ہے، جس کے تحت پہلے یہ قانون تھا کہ بیوی اگر اپنے خاوند کا اِلزام تسلیم کر لیتی ہے تو اُسے زنا مستوجبِ حد کا سزاوار ٹھہرایا جاتا تھا۔ لیکن اب اِس ترمیم کے نتیجے میں بدکار بیوی مستوجبِ حد نہیں ہوگی۔ قرآن وسنت کی نگاہ میں مجرم عورت ہو یا مرد دونوں برابر ہیں لیکن یہاں جنس کی بنیاد پر عورت کو اِستثناء دے دی گئی ہے حالاں کہ قرآن وسنت اِس کی اِجازت نہیں دیتے۔

سیکشن نمبر 27 تا 29: اِس سیکشن کے تحت قذف آرڈی ننس پر تعزیراتِ پاکستان کے بعض قوانین کے اِطلاق کی دفعہ 16 حذف کر دی گئی ہے، مگر وہی اُصول قذف آرڈی ننس میں شامل نہیں کیے گئے۔

اِس ایکٹ کے سیکشن 28 کے تحت حدود آرڈی ننس کی دفعہ 17 کی پہلی اِستثناء ختم کر دی گئی ہے۔ اِس کی وجہ سے عدالت ملزم کو کسی دیگر جرم میں ملوث ہونے پر کارروائی کر کے سزا نہیں دے سکے گی۔ یہ مجرموں کو کھلی چھٹی دینے کے مترادف ہے۔

اِس ایکٹ کے سیکشن 29 کے تحت قذف آرڈی ننس کی دفعہ 19 حذف کرکے حدود قوانین کی دیگر تمام قوانین پر برتری کا قانونی اُصول ختم کر دیا گیا ہے، جو قرآن وسنت کی کھلی توہین ہے۔

اِختتامیہ

اس ایکٹ کے آخر میں بہ عنوان Statement of Objects and Reasons بہت سی ایسی باتیں درج کی گئیں ہیں جن میں کئی امور محلِ نظر ہیں مثلاً صفحہ 13 پر بیان کردہ پانچویں پیراگراف

"The offences listed in Sections 11 to 16 of the Offence of Zina (Enforcement of Hudood) Ordinance, 1979 (VII of 1979) hereinafter "Zina Ordinance" are Ta'zir offences. All these are being inserted as Sections 365B, 367A, 371A, 371B, 493A, and 496A of the Pakistan Penal Code, 1860 (Act XLV of 1860). Sections 12 and 13 of the Offence of Qazf (Enforcement of Hadd) Ordinance, 1979 hereinafter "Qazf Ordinance" are being

omitted. This is being done as the definition of qazf of Section 3 of that Ordinance is wide enough to cover the qazf committed by printing or engravaing or sale of printed and engraved meterial."

کی بالکل ضرورت نہ تھی بلکہ یہ قانون سازوں کی مکاری اور عیاری کے مترادف ہے۔

صفحہ نمبر 16 پر آخری پیراگراف سے پہلے پیراگراف میں جو ...... The Zina Ordinence سے شروع ہوتا ہے۔ اس میں بھی چار ایسے اقدامات بیان کر دیے گئے ہیں۔ جن کے اثرات کے تحت اس جرم کے خاتمہ کے بجائے اس جرم کے فروغ کے امکانات زیادہ ہوں گے۔

(۱) زنا کی شکایت صرف سیشن جج کی عدالت میں درج کروائی جا سکے گی۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ زنا کا جرم کرنے والا معاشرے میں آزاد پھرتا رہے گا جب کہ شکایت کرنے والا عدالت کے چکر لگا لگا کر تھک ہار کر گھر بیٹھ جائے گا۔

(۲) زنا کو قابل ضمانت جرم قرار دے دیا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں زنا سے اَدنی درجے کے کئی ایسے جرائم ناقابل ضمانت ہیں۔ اِسی طرح ضابطہ فوجداری کے شیڈول کے آخری حصہ میں تین سال سے زائد سزاؤں والے تمام جرائم کو ناقابل ضمانت قرار دیا گیا ہے، مگر زنا کا جرم قابل ضمانت بنا دیا گیا ہے۔

(۳) زنا کو ناقابل دست درازی پولیس جرم قرار دیا گیا ہے حالانکہ ضرورت اس امر کی تھی کہ اگر پولیس اس قانون کو غلط استعمال کر رہی ہے تو اس کے اس غلط استعمال کو روکا جاتا اور قانون کو مزید موثر بنایا جاتا اور یہ قانون کا حصہ بنایا جاتا کہ پولیس مجسٹریٹ کی اجازت اور اتھارٹی کے تحت چھاپے مارے اور اقدامات کرے۔

(۴) اسی پیراگراف میں یہ قرار دیا گیا ہے کہ جب تک سیشن جج ہدایات یا سمن جاری نہیں کرے گا اس وقت تک مجرم کو طلب نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی پولیس کو مجرم کو گرفتار کرنیکا اختیار ہے۔ سیشن جج اس وقت مجرم کو حاضری کے لیے طلب کرنے کا حکم جاری کرے گا جب اس کو یقین ہو کہ واقعی جرم ہوا ہے۔ تب بھی ملزم کو طلب کرکے آئندہ حاضری کے لیے ذاتی مچلکہ پر ضمانت قبول کرے گا۔ ہمارا عدالتی ریکارڈ اور نظام اس بات کا گواہ ہے کہ

سیشن جج پر پہلے ہی کئی دوسرے مقدموں کے بوجھ اتنے زیادہ ہیں کہ وہ اپنی ترجیحات کے تعین میں اس طرح کے معاملات کو آخری درجے میں رکھنے پر مجبور ہوگا۔ استغاثہ کے اندراج کے بعد بھی کیس کے فیصلہ ہونے کے ضروری تقاضے پورے کرنا اور جرم کو ثابت کرکے سزا تک پہنچانا ناممکن حد تک محال بنا دیا گیا ہے۔

دعوتِ فکر و عمل

تحفظ نسواں ایکٹ 2006ء کا مندرجہ بالا تجزیہ اِس اَمر کو واضح کرتا ہے کہ یہ قانون قرآن و سنت اور خواتین کے حقوق کی کھلی خلاف ورزی ہے۔ اب جب کہ ملک کے تمام اہلِ دین اور اہلِ دانش اس قانون کی مخالفت کر رہے ہیں تو مقتدر حلقوں کو چاہیے کہ وہ ایسی قانون سازی سے نہ صرف باز رہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے اپنی اس کوتاہی پر معافی مانگیں اور موجودہ قانون کو بھی نظرِ ثانی کے مرحلہ سے گزاریں۔ عورت کے ''حقوق کے تحفظ'' کے نام پر عورت کے ناموس کی پامالی اور معاشرے کو ترقی کے نام پر بدکاری کی آماج گاہ بنانے سے باز رہنا ہی اسلام اور پاکستان کے مفادات میں ہے۔

خواتین سمیت معاشرے کے تمام مظلوم طبقات کے حقوق کی حفاظت حکومت کا اوّلین فرض ہے۔ حکومت اگر پاکستان کو فلاحی اسلامی ریاست بنانے اور یہاں کے عوام کو خوش حال بنانے میں مخلص ہے تو ملک کے اَطراف و اَکناف میں موجود جہالت، ظلم، ناانصافی اور بدعنوانی کے خاتمے کے لیے قانون سازی کرے اور پہلے سے موجود قوانین کو دیانت داری کے ساتھ نافذ العمل ہونے کی یقین دہانی کروائے۔ مہنگائی کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکے۔ سستے اور فوری انصاف کی فراہمی آسان بنائے اور ملک کی جغرافیائی سرحدوں کی طرح نظریاتی سرحدوں کی بھی حفاظت کو اہمیت دے۔ بلکہ عورتوں کے وہ تمام شرعی حقوق جو ادا نہیں کیے جاتے - مثلاً زمینوں اور جائیدادوں میں وراثت کا مکمل حق، مہر کی مکمل ادائیگی، عورتوں کو مار پیٹ اور اُن پر ظلم و جبر، خاندانی قتلوں کے عوض بچیوں کی مرضی کے خلاف جبری شادیاں وغیرہ - ان جیسے اقدامات کے روک تھام کے لیے قوانین بنائے جائیں نہ کہ ''زنا'' کو حقوق نسواں کے عنوان کے تحت بدکاروں کے لیے میدانِ جدو جہد بنا دیا جائے تاکہ اِس راستے میں حائل تمام رکاوٹیں دور ہو جائیں اور ڈر چھپ کر اَخلاقی جرائم کرنے کی بجائے مغرب کی طرح آزاد معاشرہ بنا دیا جائے تاکہ آئندہ نسب کا بھی پتہ نہ چلے۔ ❀❀❀